رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۸۳۰

جنوری ۱۹۷۴ء — صلح ۱۳۵۳ ہش

  ایڈیٹر : محمد شفیق قیصر

احمدی بچوں اور بچیوں کا دل پسند ماہنامہ

تشحیذ الاذہان ربوہ

یہ رسالہ ابتداءً سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۹۰۶ء میں جاری فرمایا تھا۔ اور اب یہ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے زیر نگرانی احمدی بچوں اور بچیوں کیلئے ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور دن بدن مقبولیت حاصل کرتا جا رہا ہے۔

تشحیذ الاذہان میں آپ کیا پائینگے؟

◉ قرآن پاک اور احادیث میں سے پیارے پیارے پرحکمت کلمات ◉ حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے خلفاء کے رُوح پرور ملفوظات ◉ بزرگوں اور دیگر بڑی شخصیتوں کے زرّیں اقوال ◉ اسلام اور احمدیت سے واقفیت پیدا کرنے والے عُمدہ مضامین ◉ اچھی اچھی دلوں کو لبھانے والی نظمیں ◉ بلند اخلاق پیدا کرنے والے مفید تربیتی مضامین ◉ نصیحت آموز دلچسپ کہانیاں اور تاریخی واقعات ◉ مفید و دلچسپ علمی و سائنسی معلومات ◉ دماغی ورزشیں اور بے اختیار ہنسا دینے والے لطائف

اور ان سب کے علاوہ دیگر بہت سے مفید اور بے حد دلچسپ کالم!

سال بھر کے رسالوں کی کل قیمت صرف 6 روپے

جملہ خط وکتابت بنام

مینجر رسالہ "تشحیذ الاذہان" - ربوہ!

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا

ماهنامہ
خالد
ربوہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
اِسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

"تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں۔"
(الہام المسیح الموعودؑ)

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی۔"
(المصلح الموعودؓ)

ماہنامہ خالد ربوہ

جلد ۲ | صلح ۱۳۵۳ھ | شمارہ ۳

جنوری ۱۹۷۴ء

ایڈیٹر
محمد شفیق قیصر

فہرست

پبلشر:۔ محمد شفیق قیصر
پرنٹر:۔ سید عبدالحی شاہ ایم۔ اے
مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ
مقام اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ
سالانہ چندہ سات روپے ٭ قیمت فی پرچہ ۶۰ پیسے

مغربی تمدّن کا سب سے بڑا کارنامہ سائنس کی وہ حیرت انگیز ترقی ہے کہ جن چیزوں کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا آج وہ واقعہ کی شکل میں موجود ہیں۔ خواب و خیال کی باتیں حقیقت کی شکل اختیار کر چکی ہیں اور انسان کرۂ ارض سے پرواز کر کے عالمِ افلاک کی تسخیر میں مشغول ہے۔ چاند اور دیگر سیاروں تک اس کے قدم پہنچ چکے ہیں۔ لاریب یہ سائنس کی بہت عظیم کامیابی ہے اس سے زیادہ مادی ترقی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور ابھی اس بارہ میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی انتہا کہاں ہو گی۔ لیکن کیا یہ انسان کی حقیقی ترقی ہے؟ اور اس سے انسانی شرف اور اس کی عظمت کو کمال حاصل ہو گیا؟

اگر انسان محض مادیت کا پُتلا نہیں اور اس کی کچھ رُوحانی ضروریات اور اخلاقی فرائض بھی ہیں تو یہ کہنا بے جا نہ ہو گا آج کا ترقی یافتہ انسان پھر اُسی درجہ پر پہنچ گیا ہے جہاں آج سے ہزاروں سال پہلے دَورِ وحشت میں تھا اور وہ اخلاق کے تمام سبق فراموش کر کے اخلاقی پستی میں گرتا چلا جا رہا ہے۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سائنس کی نت نئی ایجادات اور ایٹم کی دریافت نے دُنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے اور سائنس کی فتح و کامرانی کا جھنڈا عالمِ افلاک پر گڑا جا رہا ہے مگر سوال یہ ہے کہ اس سے انسانیت کی کیا خدمت ہوئی؟ کیا اس کے امراض کا مداوا اور اس کے قلب و رُوح کو سکون کی دولت نصیب ہو گئی؟ کیا کمزور اقوام کو اپنے سے زیادہ طاقتور اقوام کا خوف جاتا رہا؟ غریبوں اور بے کسوں کے دُکھ درد کا علاج ہو گیا اور دُنیا میں عدل و مساوات کی حکومت قائم ہو گئی؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو کیا اس کے بغیر انسان کی حقیقی ترقی کا تصوّر کیا جا سکتا ہے؟

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ موجودہ ترقی نے انسان کے لئے بہت سی سہولتیں اور عیش و تنعم کے ایسے سامان فراہم کر دیئے ہیں جن کا پہلے خواب و خیال میں بھی تصور ممکن نہ تھا لیکن ان میں پسماندہ اقوام، غریبوں اور بے نواؤں کا کتنا حصہ ہے۔ یہ مادی فوائد بھی تو انہی کو حاصل ہیں جن کے دل میں انسانیت کا کوئی درد نہیں ہے اور ان کی خدا فراموشی نے انکو انسان فراموش بھی بنا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمدّن و ترقی کے خالص مادی تصور نے انسان کی اخلاقی حِس کو بالکل مُردہ کر دیا ہے۔ خود غرضی، اقتدار پسندی، قومی و وطنی سربلندی اور مادی تعیّشات زندگی کا مقصد بن گئے ہیں۔ افراد سے لیکر اقوام تک سب اسی میں مبتلا ہیں اور جو قوم جس قدر ترقی یافتہ ہے اُسی قدر مادی وسائل میں غرق ہے۔ ایسی حالت میں نہ تو عدل و مساوات کے تقاضے پورے کئے جا سکتے ہیں اور نہ ہی انسانی شرف و عظمت کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

ترقی یافتہ اور طاقتور اقوام میں حصولِ اقتدار کی مستقل کشمکش برپا ہے۔ جن ملکوں اور قوموں کے ہاتھ میں دُنیا کی سیاست کی باگ ڈور ہے وہ اپنی قیادت و برتری تمام اقوامِ عالم سے منوانا چاہتی ہیں۔ اخلاق و قانون کا احترام اُٹھ گیا ہے۔ جو قومیں اور

آزادی اور جمہوریت و مساوات کی سب سے زیادہ مدعی ہیں وہی سب سے زیادہ اخلاقی قوانین کو پامال کر رہی ہیں اور انسانی حقوق کی محافظ بننے کی بجائے ان کی غاصب بن گئی ہیں، ان کی تمام قوتیں اور مادی سائنسی ترقیاں انسانی خدمت کے بجائے اس کی تباہی و بربادی کے سامان فراہم کرنے میں لگی ہوئی ہیں اور وہ اپنے دشمنوں کو شکست دینے کے لئے ایسے ایسے آلات و اسلحہ ایجاد کر رہی ہیں کہ اگر ان کے استعمال کی نوبت آگئی تو عالم انسانیت ہی کا خاتمہ ہے۔ یہ سب تہذیب و ترقی اور آزادی و جمہوریت کے نام پر ہو رہا ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ دراصل یہ ساری خرابی نتیجہ ہے زندگی کے مادی تصور اور ترقی کے مادی نصب العین کا۔ دراصل انسانی فطرت خود غرض اور اقتدار پسند واقع ہوئی ہے۔ انسان مادی لحاظ سے کتنا ہی ترقی کر جائے اس کے یہ دونوں جذبے ختم نہیں ہو سکتے۔ اس کی اصلاح اسی صورت میں ممکن ہے کہ اپنے سے زیادہ طاقتور کے مواخذہ کا خوف یا اخلاقی ذمہ داری کا احساس۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے اس کی بنیاد خوف پر ہے اسلئے اس سے حقیقی اصلاح ممکن نہیں۔ اور پھر یہ صورت بھی اسی وقت کارآمد ہے جب ایک فریق کمزور اور دوسرا طاقتور ہو لیکن جب برابر کی ٹکر ہو تو دونوں ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہی صورت حال آج بھی درپیش ہے۔ دنیا دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ دونوں طاقتور ہیں اسلئے اب اُن میں مسابقت شروع ہو چکی ہے کہ اپنے حریف کو زیر کرنے کے لئے کون سب سے زیادہ ہلاکت خیز اسلحہ ایجاد کرتا ہے جس سے انسانی تباہی کے سامان میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس مرض کا حقیقی اور صحیح علاج صرف اخلاقی اور روحانی اصلاح ہے جس سے خود انسان کے اندر ایسا اخلاقی احساس پیدا ہو جائے کہ اس کا قدم اخلاق و انسانیت کے دائرہ سے باہر نہ نکلنے پائے۔ اور یہ اصلاح محض وعظ و نصیحت اور اخلاقیات کی کتابی تعلیم سے نہیں ہو سکتی اس کے لئے خدا شناسی اور خوف و خشیت ضروری ہے، اس کے بغیر کتابی تعلیم کا اثر عملی طور پر نہیں پڑتا۔ آج فلسفہ اخلاق بھی بہت ترقی کر گیا ہے اور اسکی تعلیم کا بھی انتظام ہے — مگر تعلیم یافتہ قوموں پر اس کا کیا اثر ہے، سب سے زیادہ اخلاقی قوانین کو وہی قومیں پامال کر رہی ہیں جو سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مادی تصور حیات کے ساتھ اخلاق و روحانیت کا اجتماع ہو ہی نہیں سکتا۔ جن قوموں کا تصور حیات جس قدر مادی ہے اسی قدر وہ اخلاق سے عاری ہیں۔ اشتراکی فلسفہ میں اخلاق کی کوئی قدر و قیمت نہیں، وہ بھی جاگیرداری عہد کی ایک دقیانوسی یادگار تصور کیا جاتا ہے۔ جو مغربی اقوام زبان سے خدا اور اخلاق کا نام لیتی ہیں ان کا نصب العین بھی خالص مادی ہے اسلئے ان کی زندگی پر ان کے زبانی دعویٰ کا کوئی اثر نہیں ہے۔

پس جب تک زندگی کا مادی تصور اور ترقی کا مادی نصب العین نہیں بدلتا اُس وقت تک نہ انسانیت کی متوازن ترقی ہو سکتی ہے اور نہ اقوام عالم میں باہم اعتماد اور ہمدردی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس تمدن کا سب سے بڑا

نقصان یہی ہے کہ اس نے انسان کو ایک اعلیٰ درجہ کا ترقی یافتہ حیوان بنا دیا ہے جو آسمانوں میں پرواز اور سیاروں کی طرح فضا میں گردش کر سکتا ہے، سمندروں کی تہہ کی خبر لا سکتا ہے، لیکن زمین پر انسانوں کی طرح نہیں چل سکتا۔ سائنس کی ترقیاں نوعِ انسانی کے لئے رحمت سے زیادہ زحمت بنتی جا رہی ہیں۔ بڑے بڑے مفکر اور سائنس دان حیران ہیں کہ اگر ان ترقیوں کو دُنیا کی تعمیر اور انسانیت کی خدمت کے بجائے اس کی تخریب و بربادی کے لئے استعمال کیا گیا تو عالمِ انسانیت کا کیا انجام ہوگا اور اس کے تدارک کی کوئی تدبیر ان کو سمجھ نہیں آ رہی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ مغربی اقوام کی مادی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ حقیقی اخلاق روحانیت اور شریعتِ اسلام کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ جسمانی اور ذہنی قوتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں مادی سامان پیدا کئے ہیں اور ان میدانوں میں آگے بڑھنے کے لیے سب کے لئے یکساں مواقع ہیں۔ قوانینِ قدرت کے مطابق جو بھی کوشش کریگا کامیاب ہوگا۔ چنانچہ یورپین اقوام اِن دو میدانوں میں بہت آگے نکل گئیں۔ گو ان میدانوں میں بھی مسلمانوں کو ہی آگے نکلنا چاہیئے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حقیقت میں زمین و آسمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیدا کیا ہے لیکن مسلمانوں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی۔

لیکن اخلاقی اور رُوحانی قوتوں اور استعدادوں کا جب سوال پیدا ہوا تو اخلاقیات دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک غلط قسم کے ظاہری اخلاق جو محض قشر ہیں مثلاً جب انگریز برصغیر میں حاکم تھا تو وہ اپنی دیانتداری کا بڑا ڈھنڈورا پیٹتا تھا۔ وہ دیانتدار تھا لیکن اُسی حد تک کہ اس کے ذاتی اور قومی مفاد کو نقصان نہ ہو۔ اور جب اس کے ذاتی اور قومی مفادات اس سے بددیانتی کا مطالبہ کرتے تھے تو وہ بغیر کسی توقف اور ہچکچاہٹ کے اس کا مرتکب ہوتا تھا۔ سو ظاہری اخلاق سچے اور صحیح نہیں۔

صحیح اخلاق کے لئے رُوحانیت ضروری ہے اور رُوحانیت کی نشوونما کیلئے صحیح اخلاق کی ضرورت ہے۔" (خالد نومبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۔۔)

پس اس وقت دُنیا میں امن اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے کہ ترقی کے مادی تصور کو بدلا جائے اور زندگی میں اخلاق و رُوحانیت کو بھی اتنی ہی اہمیت دی جائے جو مادی ترقی کو حاصل ہے ورنہ علم و سائنس کی یہ بے قید ترقیاں ایک نہ ایک دن انسانیت کی تباہی کا پیغام ثابت ہوں گی ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فارسی الاصل ہیں

قوم برلاس کے متعلق جدید تحقیق!

ذیل کا مضمون ہمارے فاضل دوست مکرم شیخ عبدالقادر صاحب محقق کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ آپ نے اختصار کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ احمدی نوجوانوں کو چاہیئے کہ اس مضمون کی طرف توجہ دیں اور مزید ریسرچ کریں انشاء اللہ العزیز مزید ریسرچ کے نتیجہ میں مزید کئی امور سامنے آئیں گے۔ (ایڈیٹر)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتاب "تحفہ گولڑویہ" و "حقیقۃ الوحی" میں فرمایا ہے کہ میرا تعلق ایک ایسی فارسی قوم سے ہے جس میں چینی، اسرائیلی اور فاطمی خون کی آمیزش ہے۔ آپ سمرقند کی مشہور قوم برلاس سے تعلق رکھتے تھے۔

(۱)

پانچویں صدی قبل مسیح کا یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس اپنی تاریخ میں برلاس قوم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ سیتھی قوم کی تین شاخیں ہیں۔ شاہی شاخ کو آجکل "پارالاتائے" (PARALATAE) کہتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ سیتھی ۲۸ سال تک فارس پر قابض رہے۔ پارالاتائے دراصل بارلاش ہے۔ یہ نام برلاس کی یونانی صورت ہے۔
ہیرلڈ لیم اپنی کتاب تیمور میں رقمطراز ہے کہ برلاس وہی قبیلہ ہے جسے مؤرخینِ قدیم سیتھی یا سیتھین کا نام دیتے ہیں۔

(۲)

سیتھی قوم کے آثارِ قدیمہ ملے ہیں۔ ان سے ثابت ہے کہ یہ ایرانی الاصل تھے اور مختلف ایرانی بولیاں بولتے تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا زیر لفظ Scythian)
یہ بات تو واضح ہوگئی کہ برلاس ایک سیتھی قبیلہ کا نام ہے۔ وہ حسب نسب کے لحاظ سے فارسی تھے۔

(۳)

سیتھی آگے چل کر مختلف قوموں کے ساتھ مخلوط ہوئے۔ ان کا ایک حصہ ترک و تاتار اور منگولوں میں جذب ہوگیا۔ یہاں تک کہ تاریخ میں یہ تاتاری کہلانے لگے۔
بنی اسرائیل سے بھی سیتھی قبائل کا اختلاط ہوا۔ جارج مُور اپنی کتاب The Lost ten tribes میں لکھتے ہیں:-

"بنی اسرائیل کے اسباطِ عشرہ جلاوطنی کے بعد وسطِ ایشیا کے جن صوبوں میں آباد ہوئے وہ بالکل وہی تھے جہاں سیتھی قبائل قابض ہوئے اسی خلا ملا میں بنی اسرائیل کو مزید مشرق

معرفت قیادت ماڈل ٹاؤن لاہور

میں منتقل ہونا پڑا۔" (صفحہ ۱۱۱)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سیتھی اور بنی اسرائیل ایک مدت تک ایران اور توران میں اکٹھے رہے - جارج مور نے مزید لکھا ہے کہ تاتاریوں میں اب تک یہودی مذہب کے آثار پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ ختنہ کراتے ہیں۔ ان میں اب بھی یہودی موجود ہیں۔ بخارا اور افغانستان کے بعض قبائل یہودی ہیں۔ (صفحہ ۱۴۵)

بنی اسرائیل مدت مدید تک فارس و توران میں رہے۔ بائیبل میں آستر کے صحیفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حبش سے لیکر ہند تک سبھی فارسی صوبوں میں بنی اسرائیل منتشر تھے۔ (۸/۹) بالخصوص عیلام و میدیہ میں آباد تھے۔ صحیفہ مکابیوں دوم میں ہے :-

"ہمارے باپ دادے فارس کو
جلاوطن کئے گئے۔" (۱/۱۹)

صحیفہ طوبیاہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مادیوں کے شہر احمتا (موجودہ ہمدان) کے قرب و جوار میں یہود موجود تھے (۳/۷) وہ طہران کے قریب راجیس (موجودہ رَے) میں بھی آباد تھے (۳/۲۱)

چوتھی صدی قبل مسیح کے وسط میں فارسی بادشاہ نے مصر سے باغی یہودیوں کو نکال کر بحیرہ اخضر کے مغرب میں جورجان مقام پر آباد کیا جسے Hyrcania کہتے تھے۔ پانچویں صدی عیسوی میں بھی یہاں یہودی آباد تھے۔[1]

جلاوطنی میں یہودیوں نے بڑی کثرت سے اپنی بیٹیاں غیر قوموں میں بیاہ دیں۔ جب ان کا ایک حصہ اپنے وطن واپس لوٹا تو ان سے ایک معاہدہ پر دستخط کرائے گئے کہ غیر قوموں میں شادی بخوبی ممنوع ہے (نحمیاہ ۳۰/۱۰)

بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی شہنشاہ نے ایک اسرائیلی خاتون سے شادی کی (آستر ۲ باب) ظاہر ہے کہ اس مثالی شادی نے فارسی حکمرانوں کے گھروں کو اسرائیلی خواتین سے بھر دیا ہوگا۔ اس طرح یسعیاہ نبی کی وہ بات پوری ہوئی کہ بنی اسرائیل کی بیٹیاں غیر قوموں میں بادشاہوں کے گھروں میں ہوں گی۔ (یسعیاہ ۴۹/۲۲،۲۳)

بائیبل میں مخلوط نسل کے جلاوطن یہودیوں کا ذکر ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ جلاوطنی کے دوران بنات اسرائیل دوسری قوموں میں بیاہی گئیں اور بنی اسرائیل نے بھی غیر قوموں کی لڑکیوں کو بیاہ لیا (نحمیاہ ۷/۶۱، ۱۳/۲۳ عزرا ۲/۱ - آستر ۲/۵-۱۱)

ان حوالوں سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کے اسباط بابلی اور فارسی قبائل کے ساتھ مخلوط ہوئے۔ سمرقند و بخارا میں بنی اسرائیل کے بعض قبیلے مدت دراز تک آباد رہے۔ یہی علاقہ بعد اس قوم کا مرکز تھا سیتھی اور اسرائیلی اسی علاقہ میں باہم شیر و شکر ہوئے۔

سمرقند و بخارا کے بنی اسرائیل میں یہ روایت ملتی ہے کہ ہم عمر بن سام بن نوح کی اولاد ہیں - اور ترکستان کے لوگ تجر بن یافث بن نوح کی اولاد۔ گویا دونوں ابنائے نوح قرار دیئے گئے۔ اس سے بھی ان کے قریبی تعلق کا پتہ لگتا ہے۔

1- East and west Seltember 1958 P. 189

(۴)

برلاس قوم کا مرکز آگے چل کر سمرقند کے نواح میں "شہر سبز" ہو گیا جس کا پرانا نام کِش تھا۔ سمرقند کے قریب یہ ایک مشہور مقام ہے۔ تیمور اسی جگہ پیدا ہوا۔

بائیبل میں فارس میں بسنے والے یہود کے متعلق اشارہ ہے کہ وہ بنیامین قبیلہ کے یہودی تھے۔ ان کے جدِ امجد کا نام قیش تھا (آستر ۲/۶) تورات میں ارضِ جیحوں کو کوش کہا گیا (پیدائش ۲/۱۳) اغلباً اسی نام کی نسبت سے ارضِ جیحوں میں واقع شہر سبز، کش کہلاتا تھا۔ یہ بھی ثبوت ہے اس امر کا کہ بنی اسرائیل اور ترکستان کے رہنے والوں کا اس حد تک خلا ملا ہوا کہ بلاد و امصار کے بعض نام بھی عبرانی ہو گئے۔ بخارا کے علماء یہود کے نزدیک بخارا اور بلخ کا لفظ بھی عبرانی ہے۔

خراسان میں ایک قدیم بستی کا نام یہودیہ تھا۔ روایت یہ تھی کہ یہاں کے بنی اسرائیل ان اسباط سے تعلق رکھتے ہیں جن کو بخت نصر نے جلا وطن کیا۔[۱]

(۵)

سب سے بڑا ثبوت کہ نسلِ برلاس کا بنی اسرائیل سے تعلق تھا یہ ہے کہ خود برلاس نام عبرانی ہے ۔ بنی اسرائیل کے جلا وطن قبائل کی مذہبی زبان عبرانی اور روزمرہ کی زبان آرامی تھی۔

"عبرانی آرامی" میں برلاس کے معنے "شیر زادہ" کے ہیں۔ عبرانی میں بَرْ کے معنے "پیدا ہونے" کے ہیں، آرامی میں بَرْ کے معنے "بیٹے" کے ہیں۔ لاس یا لیش کے معنے "شیر" کے ہیں۔ یہ دونوں لفظ بائیبل کے عبرانی حصہ اور ترگم میں ملتے ہیں۔

برلاس کی وجہ تسمیہ آج تک معلوم نہیں ہو سکی۔ عبرانی آرامی کے تحت روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ قرائن بتاتے ہیں کہ یقیناً بنی اسرائیل سے مخلوط ہوئے ان کا نام عبرانی میں برلاس ہو گیا اور مرکزی شہر کا نام کش تھا۔ یہ نام بھی عبرانی ہے۔

(۶)

شاخِ برلاس میں فاطمی پیوند اس وقت لگا جب شہر سبز میں نسلِ سادات کے اولیاء کرام خیمہ زن ہو گئے۔ ان کی تبلیغ و ارشاد سے برلاس قبیلہ کشاں کشاں اسلام کی طرف آنے اور اس چشمۂ رواں سے اپنی پیاس بجھانے لگا۔ اس زمانہ میں ایک عجیب ماجرا ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سمرقند و بخارا کے علاقے طاعون جارف کی زد میں آ گئے لیکن "دارِ سادات" اس سے بالکل محفوظ رہا۔ اس امر کو دیکھ کر برلاس قبیلہ کے دل میں حجاز سے آمدہ سادات کرام کی عزت دوبالا ہو گئی اور وہ سب حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ یہاں تک کہ سادات کرام میں شادیاں ہونے لگیں۔ قوم برلاس کے لئے یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ایرانی دائرۃ المعارف فرہنگ دانش و ہنر طہران صفحہ ۲۸

[۱] ملاحظہ ہو ملا احا خوم کی کتاب "تیمور"

اِس تحقیق سے یہ امر واضح ہے کہ سیتھی قوم ایرانی الاصل تھی۔ اس کی ایک شاخ "زرّین" "ذرّیتِ امشاج" بن کر ایرانی، چینی، اسرائیلی اور فاطمی خون "کا معجونِ مرکب" بن گئی۔ عالمِ روحانی میں جتنی بڑی کوئی شخصیت ہوا کرتی ہے اس کی داغ بیل ڈالی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اسلئے ہوا کہ الامام المہدی "جری اللہ فی حُلل الانبیاء" نے اس شاخِ زرّیں سے ظاہر ہونا تھا۔ آپؑ کو بتایا گیا کہ تیرا تعلق ابنائے فارس سے ہے۔ بشارات کی رُو سے ضروری تھا کہ الامام المہدی میں چینی خون بھی ہو، اسرائیلی اور فاطمی بھی۔ تاکہ دنیا کی بنیادی نسلوں کا وہ نمائندہ ہو۔ آرین، تورانی اور سامی دُنیا کی تین بنیادی نسلیں ہیں اور الامام المہدی بجا طور پر ان کا منتخب نمائندہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نسب کے متعلق بعض ضروری تصریحات

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعہ خبر دی کہ میرا خاندان بنو فارس سے ہے اقوامِ ترکیہ سے نہیں۔ فرمایا:۔

"نہ معلوم کس غلطی سے مغلیہ خاندان کے ساتھ مشہور ہو گیا۔"

نئی تحقیق کی رُو سے اس غلطی کی نشان دہی ممکن ہے تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مورثِ اعلیٰ امیر حاجی تھے، انہیں حاجی برلاس بھی کہتے ہیں تیمور بھی اسی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ امیر تیمور حاجی برلاس کو احتراماً چچا کہتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ

"یکے از اقربائش"

تھے حقیقی چچا نہیں تھے۔ انساب کی پرانی کتابوں میں امیر تیمور اور حاجی برلاس کا نسب نامہ جُدا جُدا درج ہے۔ وہ دونوں قبیلہ برلاس سے تھے اور قراچار نویان ان کا جدِ امجد تھا لیکن چچا بھتیجے کا رشتہ انکے درمیان نہیں تھا۔ کتاب اویماق مغل میں دونوں کے نسب نامے درج ہیں وہ دیکھے جا سکتے ہیں۔

ظفر نامہ تیموری میں حاجی برلاس کو تیمور کا "عَم" کہا گیا ؎

پدر رفتہ و عَم گریزاں شدہ

(جلد اوّل ص۴۷)

یہ مصرع اس غلطی کی بنیاد ہے۔ "عَم" کے لفظ سے لوگوں نے حقیقی چچا سمجھ لیا۔ حالانکہ عصرِ تیموری کے جتنے شجرہ ہائے نسب ہیں اُن سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ دونو ہم قبیلہ، قریبی رشتہ دار تھے لیکن ان کا دادا ایک نہیں تھا۔

(۲)

قبیلہ برلاس سیتھین قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ قوم وسطِ ایشیا میں ترک و تاتار کے ساتھ مخلوط ہو گئی اسلئے ایک تاتاری قوم کے طور پر مشہور ہو گئی۔ اب اس قوم کے آثار دستیاب ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم اصل کے لحاظ سے ایرانی تھی، ایرانی بولیاں

بولنے والی تھی۔ منگولوں اور ترکوں کے ساتھ ان کی رشتہ داریاں تھیں۔ مرورِ زمانہ کے باعث لوگ یہ بھول گئے کہ یہ قوم دراصل ایرانی ہے۔ دُنیا کی مشہور انسائیکلوپیڈیاز میں محققین قوم پر نئی ریسرچ ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

(۳)

قبیلہ برلاس کے مورثِ اعلیٰ امیر قراچار نویان تھے۔ ان کی نسل تین شاخوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک گورکانیہ برلاس تھے، یہ مغلوں کے ساتھ مخلوط ہوئے۔ دوسری شاخ میں ایران کے مشہور خاندان قراچار (سامانی اور قاچار) تھے، یہ قاچاریہ برلاس تھے۔ تیسری شاخ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مورثِ اعلیٰ حاجی برلاس پیدا ہوئے۔ برلاس گورکانیہ مغلوں میں شادیوں کی وجہ سے گورکان یا گورگان کہلائے۔ گورگان کے معنے مغلی زبان میں "داماد" کے ہیں۔ امیر تیمور برلاس گورکانیہ تھے۔ حاجی برلاس گورکانیہ برلاس نہیں تھے۔ لہٰذا ان کو تیمور کا ہم نسب بتانا غلطی ہے۔ برلاس گورکانیہ ترک یا مغل کہلائے۔ دوسری شاخ ایرانی تھی۔ پرانے شجرہ ہائے نسب اس کے گواہ ہیں۔

اس تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ حاجی برلاس کا امیر تیمور سے جداگانہ شجرۂ نسب ہے۔ ان کو چچا بھتیجا قرار دینا ساری غلطی کی بنیاد ہے۔ ......

....

حاجی برلاس کا نسب نامہ درج ذیل ہے:-

امیر قراچار نویان

|

ایسو منکا نویان

|

تموکہ نویان

|

بورانغی نویان

|

امیر حاجی (حاجی برلاس)

حاجی برلاس کی اولاد میں محمد درویش اور ان کے بیٹے علی درویش تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے مورثِ اعلیٰ مرزا ہادی بیگ، علی درویش کی اولاد میں سے تھے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب اویماق مغل)

(۴)

ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم نے "مجددِ اعظم" میں حاجی برلاس کا نسب نامہ امیر تیمور والا ہی دے دیا ہے نسب نامہ کے اسماء بھی بیشتر غلط ہیں۔ دراصل یہ نسب نامہ چنگیز خان کے اجداد کا ہے۔ ثابت یہ کیا ہے کہ برلاس چنگیز خاں کی اولاد نہیں ہیں نسب نامہ وہی دے دیا۔ یہ غلطی آگے چل پڑی اس کا ازالہ ضروری ہے۔ کتاب اویماق مغل مرزا محمد عبد القادر خاں کی تالیف ہے۔ ۱۳۱۹ھ میں بزبانِ فارسی شائع ہوئی۔ مصنف کو مختلف اقوام و ملل کو مغل ثابت کرنے کا جنون ہے۔ اس سے قطع نظر اس میں جن پرانی کتابوں کے حوالے ہیں اور قبیلہ برلاس کے شجرہ ہائے نسب درج ہیں یہ حصہ نسب قابلِ قدر ہے۔ اس کتاب کے شجروں سے معلوم ہوتا ہے

کہ قراچار نویان کی اولاد تین شاخوں میں بٹ گئی۔ ایک ترک و تاتار میں جذب ہو گئی دوسری شاخ سے ایران کا ایک شاہی خاندان ہے تیسری شاخ مرزا ہادی بیگ کے اجداد کی ہے۔

(۵)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نسل برلاس سے تعلق رکھتے ہیں

آج سے چالیس سال قبل مولانا عبدالرحیم صاحب درد مرحوم نے آپ کے نسب اور قوم برلاس کے متعلق ایک قیمتی مقالہ رقم فرمایا۔ یہ مقالہ لندن لائبریری کی کئی قدیم علمی و تاریخی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھا گیا۔ علاوہ ازیں یورپ کے بعض علماء سے بھی اس بارے میں مدد چاہی گئی ــــ آپ نے ثابت کیا کہ لفظ برلاس منگولی زبان کا لفظ نہیں۔ فارسی زبان میں اسکے معنے "شجاع با نسب" کے ہیں لیکن یہ کس زبان کا لفظ ہے؟ اس بارے میں اختلاف ہے کوئی فیصلہ نہیں ہو پایا۔ اس سلسلہ میں آپ نے علماء سے خط و کتابت بھی کی انہوں نے بتایا کہ منگولی زبان اور اسکی شاخوں میں اس لفظ کے معنے ناپید ہیں۔ مولانا درد مرحوم لکھتے ہیں:۔

"لفظ برلاس سے قومیت کا کچھ پتہ لگ سکتا ہے۔

اگر اس لفظ کی اصل معلوم ہو جائے تو اس سے ثابت ہو گا کہ ضرور اس زبان یا اس قوم سے کچھ تعلق ہے مگر یہاں بھی قریباً وہی کیفیت (اختلاف کی) ہے۔"

(حضرت مسیح موعود فارسی الاصل ہیں صفحہ ۱۲)

یہ مسلّمہ ہے کہ قوم برلاس کے آباؤ اجداد کو تاریخ میں سیتھین کہا گیا۔ آج سے ۲۵۰۰ سال قبل یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ اس قوم کی ایک شاخ "زرّین" کو "جنگل بارالاتائے" کہتے ہیں ہیروڈوٹس نے "ب" کو کئی جگہ "پ" میں بدلا ہے۔ یہ برلاس ہے جسے یونانی میں "پارالاتائے" لکھا گیا۔ اب آئیے دیکھیں برلیش یا براش کے معنے کیا ہیں؟

میری تحقیق میں یہ لفظ "آرامی عبرانی" زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ آرامی میں بَر کے معنے بیٹے کے اور لیث یا لیش کے معنے شیر ببر کے ہیں۔ عبرانی کی رُو سے اس کے معنے "شیرزادہ" کے ہیں۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ قدیم ایران میں آرامی کا دَور دورہ تھا۔ دارائے اعظم کی وسیع و عریض سلطنت میں آرامی سرکاری زبان کا درجہ حاصل کر چکی تھی ــــ بنی اسرائیل بھی جلاوطن ہو کر ایران و توران میں آباد ہوئے۔ اُن کی زبان آرامی عبرانی تھی۔

بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ شرفائے ایران نے بنی اسرائیل میں شادیاں کیں۔ یہاں تک کہ دارا کے جانشین کی ایک ملکہ عبرانی خاتون تھی۔

سیتھین قوم کا وطن توران تھا۔ ارض توران میں اسباطِ بنی اسرائیل آن کر جذب ہو گئے۔ یہ امر تاریخی شواہد سے ثابت ہے۔ اس تحقیق سے ثابت ہے کہ برلاس اُس ایرانی نسل کا نام ہے جسے تاریخ میں سیتھین کہا گیا وہ ترک و تاتار سے مخلوط ہوئے۔ اُن کی رگوں میں عبرانی خون بھی موجود تھا۔ برلاس کی لغت ہمیں بتاتی ہے کہ اس قبیلہ میں عبرانی خون کی آمیزش ہوئی ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں کہ:۔

مہدی آخر الزمان کی نسبت حدیث اور آثار میں ہے کہ وہ مرکب الوجود ہو گا۔ میں فارسی الاصل ہوں۔ مجھ میں اسرائیلی، صینی اور فاطمی خون موجود ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تحفہ گولڑویہ)

اشاعتِ اسلام کے چند واقعات

مکرم و محترم مولانا شیخ محمد منور صاحب سابق مبلغ انچارج مشرقی افریقہ و بلادِ عربیہ حال نائب وکیل التبشیر
تحریک جدید نے سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ ۱۹۷۳ء کے موقعہ پر اشاعتِ اسلام کے چند ایمان افروز واقعات بیان فرمائے تھے جو ذیل میں شائع کئے جا رہے ہیں ———— (ادارہ)

۱۹۵۳ء میں جماعت احمدیہ نے قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر سواحیلی زبان میں پہلی بار شائع کی۔ اس میں اسلام کی حقانیت کے دلائل تفصیل سے درج کئے گئے تھے۔ اور عیسائی پادریوں کے اسلام پر اعتراضات کے تحقیقی جوابات دیئے گئے تھے اسلئے یہ تفسیر مشرقی افریقہ کے علاقوں میں مقبول ہونے کے علاوہ وسطی افریقہ کے ایسے علاقوں میں بھی پھیل گئی جہاں ہمارے مبلغین موجود نہیں تھے۔ افریقی اسے خود بخود پڑھ کر اسلام میں داخل ہونے لگے اور متعدد مقامات پر احمدی جماعتیں قائم ہو گئیں۔ چند سالوں کے بعد ہی ہمیں زمبیا، روانڈا، برونڈی اور وسطی افریقہ کے دوسرے علاقوں سے خطوط آنے شروع ہو گئے کہ یہاں احمدی موجود ہیں آپ ہمارے علاقوں کا بھی دَورہ کریں بلکہ یہاں مستقل مراکز قائم کریں۔ بعض نے براہِ راست مرکز سے تعلق قائم کیا اور مبلغین بھجوانے کی درخواست کی اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

چھ سات سال کی بات ہے وسطی افریقہ کے بعض حصوں میں سیاسی بے چینی پیدا ہوئی اور اختلافات اس قدر بڑھے کہ یو۔ این۔ او کو اپنے انتظام کے ماتحت حفاظتی دستے وہاں بھجوانے پڑے۔ ان حفاظتی دستوں میں پاکستانی فوجی بھی بھجوائے گئے تھے جن میں سے کچھ احمدی تھے۔ انہوں نے ملکی لوگوں کو بتایا کہ قیامِ امن کا حقیقی ذریعہ اسلام ہے اور ہمارے زمانہ میں امن کا شہزادہ امام مہدی کا نام پا کر ظاہر ہو چکا ہے۔ مقامی لوگوں کو یہ باتیں پسند آئیں اور ان میں سے بہت سے مسلمان ہو کر احمدی کہلانے لگے۔ ان میں سے بعض نے کینیا، یوگنڈا اور تنزانیہ کے احمدی مراکز سے لٹریچر منگوایا اور اپنی رُوحانی پیاس بجھانے کی کوشش کی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انکی پیاس بجھنے کی بجائے اور زیادہ تیز ہو گئی ہے اور وہ بھی پاکستان سے احمدی مبلغین بھجوانے کے لئے مسلسل مطالبات کر رہے ہیں۔

قریباً تین سال ہوئے ایک پاکستانی بحری جہاز مرمت کے لئے مڈغاسکر کی بندرگاہ میں لنگر انداز

ہوا تھا۔ چند ملکی نوجوان مذہبی کتب کی تلاش میں جہاز میں داخل ہوئے جہاں اُن کی ملاقات ایک مخلص احمدی سے ہوئی۔ تھوڑی سی گفتگو کے بعد ہمارے بھائی نے انہیں جماعتی کتب پیش کیں اور ان کے شوق کے مدنظر ان کا نام اور پتہ ماریشس کے احمدیہ مرکز کو مزید کتب ارسال کرنے کے لئے بھجوا دیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ماریشس کے رہنے والے پُرجوش مبلغ احمد شمشیر سوکیہ صاحب نے مڈغاسکر کا ایک ماہ کا دورہ کیا اور کئی خاندان بیعت کر کے احمدیہ جماعت میں داخل ہو گئے۔

اب ان کی خواہش ہے کہ وہاں مبلغ بھجوا کر مستقل مرکز کا قیام عمل میں لایا جائے۔ تا سارے علاقہ کو اسلام کے نور سے روشناس کرایا جائے!

دو سال کا عرصہ ہوا زیمبیا میں مستقل تبلیغی مرکز قائم ہوا۔ وہاں کئی عیسائی ہمارے مبلغ کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے۔ جب پاکستانی سفیر چوہدری بشیر احمد صاحب اپنے کاغذاتِ سفارت پریزیڈنٹ کونڈا کو پیش کرنے دارالسلام سے لوساکا گئے تو ہمارے مبلغ الحاج شیخ نصیر الدین احمد صاحب بھی ان کی ملاقات کے لئے گئے۔ مکرم شیخ صاحب کے ہمراہ ایک افریقی احمدی تھے۔ معمولی تعارف کے بعد جناب سفیر صاحب نے پوچھا کہ یہ افریقی دوست احمدی ہونے سے پہلے مسلمان تھے یا عیسائی؟ جب انہیں بتایا گیا کہ وہ پہلے عیسائی تھے اور احمدی مبلغ سے ملنے کے بعد اسلام کے نور سے منور ہوئے ہیں تو وہ بہت مسرور ہوئے۔

مجھے جب پہلی بار کینیا کے علاقہ کسوموں میں متعین کیا گیا تو ایک دفعہ میں اور مکرم چوہدری عنایت اللہ صاحب ایک افریقن منڈی میں گئے جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا۔ ہم نے ایک مجمع میں اسلام کے متعلق تقریر کی۔ وہاں ایک بوڑھا عیسائی جس کا نام ابراہیم الیعزر تھا اسی وقت مشرف باسلام ہو گیا۔ پھر وہ ہمیں اس علاقہ کے افریقنوں کے گھروں میں لے کر گیا۔ جہاں بھی ہم جاتے لوگ شوق سے مسلمان ہو جاتے۔ اس روز ستر افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

ان چند واقعات سے ظاہر ہے کہ اسلام کے حق میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا چلا دی ہے۔ ساری دنیا میں لاکھوں انسان حق کے متلاشی اور حقیقی اسلام قبول کرنے کے لئے مستعد ہیں۔ بیسیوں علاقے ایسے ہیں جہاں اب تک ایک بھی احمدی مبلغ نہیں جا سکا اور مقامی لوگ صرف باتیں سُن کر یا کتابیں اور اخبارات میں شائع شدہ مضامین پڑھ کر حق کو قبول کر چکے ہیں۔ جو شخص بھی نظام جماعت کے ماتحت اسلام کی اشاعت کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے خدا تعالیٰ کی نصرت و تائید اس کے شامل حال ہوتی ہے اور اسے اسلام کے مخالفین کے مقابل پر غیر معمولی اثر اور رعب عطا کیا جاتا ہے۔ یہ کسی انسان کا منصوبہ نہیں۔ نہ ہی کوئی دنیوی حکومت اس کی تنفیذ کروا رہی ہے۔ سچ وہی ہے جو

حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ:-

آسماں پر دعوتِ حق کے لئے اِک جوش ہے
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار

میرے عزیز نوجوانو! آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے نور سے منوّر کیا ہے۔ قرآنی ہدایت آپ کے پاس موجود ہے۔ سیرتِ نبویؐ کے نمونے آپ میں زندہ موجود ہیں۔ اسلام کے لئے جان، مال اور وقت کی قربانی آپ کی روایات میں داخل ہو چکی ہے۔ اب یہ موجودہ نسل کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات سے آراستہ ہو کر دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائے اور نیک فطرت لوگوں کو حق سے روشناس کرائے اور ان سب کو محبت اور اخوت کے رشتہ میں پرو کر خلیفۂ وقت کی قیادت میں ایک عظیم رُوحانی وحدت قائم کرے۔

سیدنا مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے القاءِ الٰہی کے ماتحت تحریکِ جدید کا اجراء فرمایا تھا۔ میں نے پچیس سال تحریکِ جدید کے ماتحت خدمتِ خلق کا فریضہ ادا کیا ہے۔ میرا دل یہ گواہی دینے پر مجبور ہے کہ یہ تحریک فی الواقع الٰہی تحریک ہے۔ اس کے ماتحت کام کرنے والوں کو فرشتوں کی تائید حاصل ہوتی ہے اور ان کے کاموں میں غیر معمولی برکت ڈالی جاتی ہے۔

میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ حق کی اشاعت کے لئے اپنی کمریں کس لیں اور اپنے قول و عمل سے بھولی بھٹکی مخلوق کے لئے ہدایت کا سامان مہیا کریں۔ بیرونی ممالک میں بالخصوص بہت سی رُوحیں حق کو پانے کے لئے بے تاب ہیں۔ آپ میں سے جن کو اللہ تعالیٰ زندگی وقف کرنے کی توفیق دے انہیں زندگی وقف کر کے تبلیغِ اسلام کے لئے نکل جانا چاہیئے اور جو اپنے کام کاج کے سلسلہ میں بیرونی ممالک میں جائیں انہیں بھی دین کی اشاعت کو ہمیشہ مقدم رکھنا چاہیئے۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کی ایک بات ایک خاندان کے لئے حق کو پانے کا ذریعہ بن جائے یا آپ کی پیش کی ہوئی ایک کتاب ایک نئی جماعت کی بنیاد ثابت ہو۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین۔

حضرت الیاسؑ کی آمدِ ثانی کی حقیقت (بقیہ صفحہ ۱۱)

مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصولی فیصلہ کے سامنے سر جھکانے کی بجائے دو ہزار سال قبل کے یہود کے نظریہ کی بالواسطہ طور پر توثیق و تصدیق کرتے ہوئے یہ خیال رکھتے ہیں کہ احادیث میں جو ابن مریم کے نزول کی پیشگوئی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کی اُمت میں پیدا ہونیوالے مثیل مسیح کی طرف اشارہ نہیں کرتی بلکہ ایک گزشتہ اسرائیلی نبی کی دوبارہ آمد پر دلالت کرتی ہے جو ایلیا کی طرح آسمان سے نازل ہوگا۔ اے کاش! جناب مودودی صاحب اور ان کے رفقاء اپنی روش پر نظرِ ثانی فرمائیں کہ وہ نظریۂ حیاتِ مسیحؑ کے علمبردار بن کر قرآن کی ترجمانی کر رہے ہیں یا یہود کی؟ (مرسلہ قیادت ماڈل ٹاؤن)

مکرم شیخ عبدالماجد صاحب
اچھرہ - لاہور

حضرت الیاسؑ کی آمدِ ثانی کی حقیقت!

حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کا یہ عقیدہ تھا کہ ایلیا نبی بنفسِ نفیس دُنیا میں ظاہر ہوں گے اور اسرائیلی حکومت قائم کر دیں گے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے آسمانی حکم و عدل کی حیثیت سے یہ فیصلہ فرمایا کہ اس پیشگوئی کا مطلب رُوحانی اور دینی اصطلاح میں صرف یہ ہے کہ ایلیا نبی کا مثیل و بروز پیدا ہوگا۔ چنانچہ جماعت اسلامی کے بانی جناب مودودی صاحب تاریخ کے اس ناقابلِ تردید واقعہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کی بعثت کے زمانہ میں یہودی بالعموم تین آنے والوں کے منتظر تھے۔ ایک حضرت الیاسؑ، دوسرے مسیحؑ، تیسرے "وہ نبی"۔ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) جب حضرت عیسیٰؑ کی نبوت شروع ہوئی اور انہوں نے لوگوں کو اصطباغ دینا شروع کیا تو یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں نے ان کے پاس جا کر پوچھا۔ کیا تم "مسیح" ہو؟ انہوں نے کہا۔ نہیں۔ پھر پوچھا۔ کیا تم "ایلیا" ہو؟ انہوں نے کہا۔ نہیں۔ پھر پوچھا کیا تم "وہ نبی" ہو؟ انہوں نے کہا میں وہ بھی نہیں ہوں۔ تب انہوں نے کہا اگر تم نہ مسیح ہو، نہ ایلیاہ، نہ "وہ نبی" تو پھر تم بپتسمہ کیوں دیتے ہو؟

(یوحنا باب ۱ آیت ۱۹ تا ۲۶)

پھر کچھ مدت بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا غلغلہ بلند ہوا تو یہودیوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ شاید ایلیاہ نبی آ گئے ہیں۔ (مرقس باب ۶ آیت ۱۴)

خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں بھی یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ ایلیا نبی آنے والے ہیں —— مگر حضرت نے یہ فرما کر ان کی غلط فہمی کو رفع فرمایا کہ "ایلیاہ تو آ چکا، اور لوگوں نے اسے نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا"۔

اس سے حواری خود جان گئے کہ دراصل آنے والے حضرت یحییٰؑ تھے نہ کہ آٹھ سو برس پہلے گزرے ہوئے حضرت الیاسؑ —— (متی باب ۱۷۔ ۱۰ تا ۱۳) نیز (متی باب ۱۱ آیت ۱۴)" ——

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

خلافت جوبلی عَلَمِ انعامی

اور

مجالس خدام الاحمدیہ

خلافت جوبلی کی مبارک تقریب پر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے ایک عَلَمِ انعامی تیار کروایا تھا۔ یہ عَلَمِ انعامی ہر سال جلسہ سالانہ کے موقعہ پر اس مجلس کو دیا جاتا ہے جو کارکردگی کے لحاظ سے سب مجالس میں اوّل قرار پاتی ہے۔ اب تک مندرجہ ذیل مجالس کو عَلَمِ انعامی حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے:-

سنہ ۱۹۳۹ء مجلس خدام الاحمدیہ کیرنگ (اڑیسہ)
سنہ ۱۹۴۰ء " " گوجرانوالہ
سنہ ۱۹۴۱ء " " چک ۹۹ شمالی سرگودھا
سنہ ۱۹۴۲ء " " دارالرحمت قادیان
سنہ ۱۹۴۳ء " " لاہور
سنہ ۱۹۴۴ء " " دارالبرکات قادیان
سنہ ۱۹۴۵ء " " حلقہ مسجد مبارک قادیان
سنہ ۱۹۴۶ء " " کراچی
سنہ ۱۹۴۷ء تا سنہ ۱۹۵۱ء کسی مجلس کو نہیں دیا گیا۔
سنہ ۱۹۵۲ء مجلس خدام الاحمدیہ راولپنڈی
سنہ ۱۹۵۳ء تا سنہ ۱۹۵۸ء " کراچی
سنہ ۱۹۵۹ء مجلس خدام الاحمدیہ راولپنڈی
سنہ ۱۹۶۰ء " " کراچی

سنہ ۱۹۶۱ء مجلس خدام الاحمدیہ لائلپور
سنہ ۱۹۶۲ء " " کراچی
سنہ ۱۹۶۳ء " " ربوہ
سنہ ۱۹۶۴ء " " ربوہ
سنہ ۱۹۶۵ء " " ربوہ
سنہ ۱۹۶۶ء " " لائلپور
سنہ ۱۹۶۷ء " " لائلپور
سنہ ۱۹۶۸ء " " ڈرگ روڈ کراچی
سنہ ۱۹۶۹ء " " ڈرگ روڈ کراچی و لائلپور
سنہ ۱۹۷۰ء " " ڈرگ روڈ کراچی
سنہ ۱۹۷۱ء " " لائلپور
سنہ ۱۹۷۲ء " " ماڈل ٹاؤن لاہور
سنہ ۱۹۷۳ء " " سوسائٹی کراچی

خلافت جوبلی علمِ انعامی

حاصل کرنیوالی

مجلس خدام الاحمدیہ

سال ۱۳۵۱-۵۲ / ۱۹۷۲-۷۳ میں مجلس خدام الاحمدیہ کی کارکردگی کے لحاظ سے نمایاں کام کرنے والی مندرجہ ذیل مجالس کا نام سرِ فہرست ہے۔ ان میں سے مجلس خدام الاحمدیہ سوسائٹی کراچی اوّل قرار پائی ہے۔ اسی طرح مجلس خدام الاحمدیہ لائل پور دوم اور مجلس خدام الاحمدیہ مارٹن روڈ کراچی تیسرے نمبر پر آئی۔

مورخہ ۲۷ ر فتح ۱۳۵۲ ہش سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی سفارش کو منظور فرماتے ہوئے اپنے دستِ مبارک سے چوہدری محمد عبدالوہاب صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ سوسائٹی کراچی کو "خلافت جوبلی علمِ انعامی" عطا فرمایا ـــــ مکرم میاں مبارک احمد صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ لائل پور اور مکرم ایم اسلم امتیاز صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ مارٹن روڈ کراچی کو سندات خوشنودی عطا فرمائیں۔

ادارہ خالد اس موقعہ پر ان مجالس کے قائدین، زعماء، ناظمین اور جملہ خدام کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہے۔ اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی آپ کو زیادہ مستعدی سے مجلس کے کام کرنے کی توفیق عطا کرے۔

(۱) مجلس خدام الاحمدیہ سوسائٹی کراچی اوّل	(۶) مجلس خدام الاحمدیہ ماڈل ٹاؤن لاہور
(۲) " " لائلپور دوم	(۷) " " ڈرگ روڈ کراچی
(۳) " " مارٹن روڈ کراچی	(۸) " " انور آباد ضلع لاڑکانہ
(۴) " " ربوہ	(۹) " " سیالکوٹ
(۵) " " گنج مغلپورہ لاہور	(۱۰) " " محمود آباد فارم ضلع تھرپارکر

عبدالسلام صاحب اسلام سانگلہ ہل

تنویرِ فطرت

کہاں تو ڈھونڈھتا ہے شوکت و توقیرِ ساقی کی
ہے کندہ لوحِ دل پہ دیکھ وہ تحریر ساقی کی

اثر ہوتا نہیں واعظ ترے رنگیں تکلّم کا!
کہ دل میں کھُب گئی کچھ اِس طرح تقریر ساقی کی

اگر لب پر مرے ہے ذکر میخانے کا آجاتا
نگہ میں گھوم جاتی ہے اُدھر تصویر ساقی کی

اگر کھینچوں تو وا ہوتا ہے میخانہ یہ ہستی کا
درِ دل سے بندھی ہے اِس طرح زنجیر ساقی کی

ہزاروں جامِ جم اس پہ تصدق کر کے چھوڑونگا
مرے آئینۂ دل میں ہے وہ تصویر ساقی کی

اُسے کیوں راس آئیں جامِ انگوری و کافوری
کہ جس کو مست رکھتی ہو فقط تاثیر ساقی کی

اُٹھا "قالوا بلیٰ" سے دل میں ہنگامہ محبت کا
مرا مقصود کب اسلام تھا تشہیر ساقی کی

مکرم تنویر احمد کیفی ربوہ

ہر وقت ترے بندۂ بے دام رہیں گے

مر کر بھی نہ توڑیں گے کبھی عہدِ وفا کو
پروانے تیرے خادمِ اسلام رہیں گے
صد شکر ہمیں تیری غلامی ہے میسّر
خدام ہیں خدام ہیں خدام رہیں گے
مٹ جائیں گے ہم لوگ ترے نام کی خاطر
ہونا پڑا بدنام تو بدنام رہیں گے
ٹکرا کے کوئی مجھ سے سکوں پا نہ سکے گا
دشمن تیرے ناکام ہیں ناکام رہیں گے
رسوائیوں سے ہم نہ ڈرے ہیں نہ ڈریں گے
بس پیشِ نظر تیرے ہی احکام رہیں گے
ہم کو تو فقط تیری رضا چاہیئے ہر دم !
ہر وقت ترے بندۂ بے دام رہیں گے
ہم تو تری ہر بات پہ لبّیک کہیں گے
جاں سے بھی پیارے ترے پیغام رہیں گے
ہم نعرۂ تکبیر بلند کرتے رہیں گے
ہر سمت میں پھیلا کے ترا نام رہیں گے

حضرتِ سرورِ کائنات کا اہلِ خانہ کے ساتھ حُسنِ سلوک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل طبقۂ نسواں کی حالت انتہائی دگرگوں تھی۔ لڑکی کے پیدا ہوتے ہی گھر ماتم کدہ بن جاتا۔ گھر کے در و دیوار روتے اور اکثر قبائل میں تو لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیا جاتا۔ چنانچہ ایک مسلمان ہونیوالے صحابی قیس بن عاصم نے حالتِ کفر میں اپنی دس لڑکیوں کو قتل کیا تھا۔ بعض گھرانوں میں یہ سنگدلی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ جب بچی کی عمر پانچ چھ سال تک ہو جاتی اور وہ اپنی میٹھی میٹھی زبان سے باتیں کرنے لگتی تب اس کو اچھے کپڑے پہنا کر سنگدل باپ ساتھ لیکر بستی سے باہر جاتا، گڑھا کھود کر اس میں لڑکی کو گرا دیتا۔ لڑکی باپ سے مدد کی طالب ہوتی لیکن ظالم باپ اُوپر سے مٹی ڈال کر دبا دیتا اس طرح اپنے لختِ جگر کو زندہ درگور کرنے میں فخر محسوس کرتا۔

پھر جاہلیت کے دَور میں عورت کو غلاموں سے بھی بُرا درجہ حاصل تھا۔ عورت کو شیطانی وجود سمجھا جاتا۔ اس کے وجود کی تحقیر و تذلیل کی جاتی اور معاشرتی لحاظ سے اسے کوئی درجہ حاصل نہ تھا۔ لیکن اسلام نے اعلان کیا کہ مرد و عورت کے حقوق برابر ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں چنانچہ فرمایا ھُنّ لباسٌ لکم و انتم لباسٌ لھنّ (البقرہ) یعنی دونوں کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے لئے لباس اور پردہ پوشی کا کام کریں، ایک دوسرے کی زینت کا موجب بنیں۔ جس طرح لباس سردی گرمی سے محفوظ رکھتا ہے اسی طرح ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ انہوں نے اپنا سارا مال بعد از شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حقوق کی پوری طرح حفاظت کی وہیں یہ بھی فرمایا وللرّجال علیھنّ درجۃ۔ یعنی حقوق کے لحاظ سے تو دونوں برابر ہیں لیکن انتظامی لحاظ سے مرد کو عورت پر حق فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ مرد ضروریاتِ زندگی فراہم کرتا ہے نیز نگرانی اور تربیت کا ذمہ دار ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احکام کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور مسلمانوں کو ترغیب دلائی کہ خیرکم خیرکم لاھلہ و انا

خیرکم لاھلی۔ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل خانہ سے اچھا سلوک کرتا ہے اور میں سب سے بڑھ کر اپنے اہل خانہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا کرنے والا ہوں

ایک شخص کی گھریلو زندگی اس کی سیرت و کردار کا صحیح آئینہ ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افراط و تفریط سے ہٹ کر اپنی بیویوں سے ہنستے کھیلتے بھی تھے۔ ہمیشہ ان سے کشادہ پیشانی سے پیش آتے، گھر کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے آٹا گوندھ رہے ہوں تو پانی لا کر دے دیتے، کبھی چولھے میں لکڑیاں ڈالتے۔ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک، دل لگی کرنا اور ہنسنا بولنا آپ کا معمول تھا۔ جب گھر میں داخل ہوتے تو السلام علیکم کہتے۔ رات کے وقت سلام آہستہ فرماتے کہ اگر بیوی جاگتی ہے تو سن لے سو رہی ہے تو جاگ نہ جائے۔ پھر ہر ایک بیوی سے مساوی سلوک فرماتے۔ عموماً بعد نماز عصر ہر بیوی کے گھر جاتے اور ان کی ضروریات پوچھتے۔ مغرب کے بعد سب بیویوں سے مشترکہ مختصر ملاقات فرماتے۔ شب کو باری باری ہر ایک کے گھر استراحت فرماتے۔ سفر پر روانگی کے وقت قرعہ اندازی فرماتے جس بیوی کا نام نکلتا اس کو ساتھ لیجاتے۔

سرزنش کا طریق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیویوں کو سرزنش بھی فرمالیتے۔ لیکن سرزنش کے معاملے میں آپ کا ایک خاص طریق تھا اور وہ یہ کہ مخاطب بات بھی سمجھ جائے اور اسے ناگوار بھی نہ گزرے۔

حضور سرور کائنات کو اپنی بیویوں کی دلداری نہایت مرغوب تھی۔ حضرت عائشہ رضؓ جب آپ کے گھر آئیں تو ابھی کم عمر ہی تھیں۔ انصار کی لڑکیاں اُن سے کھیلنے کے لئے آجاتیں تو آپ حضرت عائشہ رضؓ کو اُن کے ساتھ کھیلنے کیلئے اجازت دے دیتے۔ اگر وہ کسی چیز کی خواہش ظاہر کرتیں اور اس خواہش کے پورا کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوتی تو اسے پورا فرما دیتے۔ جس برتن سے پانی پیتیں حضور اسی برتن سے حضرت عائشہ رضؓ کے منہ لگانے کی جگہ پر منہ لگا کر پانی نوش فرمالیتے۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا آؤ تیز قدمی میں مقابلہ کریں۔ حضرت عائشہ رضؓ اس وقت دبلی پتلی تھیں آگے نکل گئیں۔ جب سن زیادہ ہوا اور پُر اندام ہو گئیں تو پھر ایک دفعہ مقابلہ کی نوبت آئی۔ تو اس دفعہ حضرت عائشہؓ پیچھے رہ گئیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ اُس دن کا جواب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان تربیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ آپ کی ازواج مطہرات دنیا کی معلم بن گئیں۔ چنانچہ آپ نے خود حضرت عائشہ رضؓ کے متعلق فرماتے ہیں خذوا نصف

دینکم عن ھٰذہ الحمیراء یعنی اپنے دین کا نصف حصہ اس خوبصورت عورت سے حاصل کرو۔

جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے انتہائی دلداری اور شفقت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش فرمایا وہاں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حضور خدا اور دین کے معاملہ میں سختی سے باز پرس فرماتے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضؓ کے مُنہ سے حضرت صفیہ رضؓ کے متعلق یہ نکل گیا کہ صفیہ میں یہ عیب کیا کم ہے کہ ان کا قد چھوٹا ہے۔ حضورؐ نے فوراً ان کو ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی۔ عائشہ! تم نے ایک ایسی بات زبان سے نکالی ہے جسے اگر سمندر میں ملا دیا جائے تو اس کی کڑواہٹ اس کو بھی تلخ تر کر کے رکھ دے۔ حضورؐ کا یہ محاسبہ بھی ازواج سے محبت کی بناء پر تھا۔ حضورؐ ان دنیاداروں کی طرح نہ تھے جو اپنی ذاتی خواہشات کی ذرا سی خلاف ورزی پر سیخ پا ہو جاتے ہیں۔ لیکن خدا اور دین کے معاملہ میں بڑے روادار اور وسیع القلب واقع ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے لئے زیادہ فکرمند ہوتے کہ آپؐ کے اہل اپنی آخرت اور دین کی ذمہ داریوں سے غفلت نہ برت سکیں۔

حضورؐ ہر وقت اپنے اہل کو دین کے کاموں کے لئے اُبھارتے۔ آپ جب شب کی نماز کے لئے اُٹھتے تو آپ کی خواہش ہوتی کہ آپ کے اہل بھی خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے اُٹھیں۔

مشورہ میں شرکت

حضور اپنی ازواج سے بھی اکثر مشورہ لے لیتے تھے صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صحابہؓ نے یہ سمجھ کر کہ صلح دب کر کی گئی ہے اور غمزدہ ہونے کی وجہ سے حضورؐ کے اس ارشاد پر کہ عمرہ کا خیال چھوڑ دو اور یہیں قربانیاں کر کے سر منڈوا دو، عمل کرنے میں تاخیر اور تامل کیا تو حضورؐ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے آئے اور صحابہؓ کے حال کا ذکر فرمایا۔ تو حضرت اُم سلمہؓ نے مشورہ دیا کہ آپ باہر تشریف لے جائیں اور بغیر کسی سے بات کئے اپنی قربانی کر دیں اور سر منڈوا دیں۔ حضورؐ نے ایسا ہی کیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ صحابہ نے حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل میں اتنی عجلت کی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ سر منڈوائے نہیں بلکہ کٹوائے جا رہے ہیں۔

مختصر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے انتہائی عمدہ سلوک فرماتے ـــ اللہ تعالیٰ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ÷

مکرم مبارک احمد صاحب چیمہ
سرگودہا

غزوۂ بدر

جہاد بالسیف کا مسئلہ بہت سیدھا سادہ ہونے کے باوجود ایک پیچیدہ مسئلہ بن کے رہ گیا ہے۔ کفارِ مکہ کے مظالم جب حد سے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دفاع کیلئے جہاد بالسیف کی اجازت دی اور وہ بھی اُس وقت جب کہ قریشِ مکہ اور ان کی انگیخت پر دوسرے قبائلِ عرب کی کارروائیاں اس حد تک پہنچ گئیں کہ ان سے مقابلہ میں مسلمانوں کا خاموش رہنا اور ہاتھ نہ اُٹھانا خودکشی کے ضمن میں آتا تھا جسے کوئی عقلمند بنظرِ استحسان نہیں دیکھتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حد تک نرمی اور رحم کا طریق اختیار فرمایا کہ اس سے زیادہ ممکن ہی نہ تھا۔

اسلام دینِ فطرت ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے "جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ" یعنی بدی اور جرم کی سزا اس کے مناسبِ حال ہونی چاہیئے۔ لیکن اگر عفو کرنے سے اصلاح ہوتی ہو تو عفو کرنا چاہیئے۔ اور اس رنگ میں عفو کرنے والا اجرِ خداوندی کا مستحق ہے۔ اِس آیتِ قرآنی میں اسلامی جنگوں کی فلاسفی مضمر ہے۔

وجوہاتِ جنگ

تاریخ بے لاگ مبصر اور نقاد ہوتی ہے۔ لہٰذا تاریخ اسلامی پر ہم وجوہاتِ جنگ کی تلاش میں نظر کرتے ہیں :-

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں پر دورِ ہجرت سے قبل کفار نے جو مظالم کئے وہ دو قوموں کے درمیان جنگ چھڑنے کی کافی وجہ تھے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ سخت تحقیر آمیز استہزاء اور دلآزار طعنوں کے علاوہ کفار نے مسلمانوں کو بے دردانہ مارا پیٹا اور ان کو جبراً عبادت سے روکا۔ ان کے اموال کو غصب کیا۔ بعض کو ظالمانہ طور سے شہید کیا گیا۔ ان کی عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ ان مظالم سے تنگ آکر جب مسلمان ہجرت کر گئے تو کفار نے پھر بھی پیچھا نہ چھوڑا۔

۲۔ مسلمانوں کے محبوب و مقدس راہنما کو سخت تکالیف پہنچائی گئیں۔ قریش کی برادری

طائف والوں نے آپ کو لہو لہان کیا۔
بالآخر قریش مکہ نے اجتماعی طور پر آپؐ کے قتل کا فیصلہ کر کے خدا کی وحدانیت کی تبلیغ کا خاتمہ کرنا چاہا اور سب قبائل کے نوجوانوں نے آپؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ جب آپؐ اُن کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے نکل جانے میں کامیاب ہو گئے تو کفار نے سو اونٹ انعام آپؐ کی گرفتاری پر مقرر کئے۔

اگر مسلمانوں کی جگہ کوئی اور قوم ہوتی تو اس وقت سے بہت پہلے میدانِ جنگ میں ہوتی لیکن مسلمانوں کو اُن کے آقا کی طرف سے صبر کا حکم تھا جب کفار کے ظلم کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلکنے لگا تب خدا نے حکم دیا کہ معاملہ عفو سے گزر چکا۔ چنانچہ ۱۲ صفر ۲ سنہ ہجری کو جہاد بالسیف کی اجازت مل گئی۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ
بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا (حج ع ۶)
"کہ اجازت دی جاتی ہے مسلمانوں
کو لڑنے کی جن کے خلاف کفار
نے تلوار اٹھائی ہے کیونکہ وہ
مظلوم ہیں"

مسلمانوں کا اب تک صبر خدائی حکم کے تحت تھا نہ کہ بزدلی سے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ جب تک صبر کا حکم تھا مسلمان صبر پہ ثابت قدم رہے۔

لیکن جب مسلمانوں کو بدلہ لینے کی اجازت مل گئی تو مقامِ بدر کفار کے لئے پیامِ موت ثابت ہوا۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، اہلِ حق آخری حد تک گالیاں سُن کر دعائیں دیتے ہیں لیکن ان کا صبر اذنِ خداوندی سے ہوتا ہے نہ کہ بزدلی سے۔ جب خدا کی وحدانیت اور حق کی حفاظت کیلئے اذنِ جہاد ہو جائے تو دنیا اہلِ حق کی شجاعت کا جوہر بھی دیکھ لیتی ہے اور یقطع دابر الکٰفرین کا نظارہ سامنے آ جاتا ہے۔

فوری وجہ

سریہ وادی نخلہ میں عمرو بن الحضرمی کے قتل کے واقعہ کو قریش مکہ نے اُبھارا اور قریش نے زیادہ انہماک سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اس اثناء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا کہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف سے مکہ آ رہا ہے۔ اس قافلہ میں قریش کے ہر مرد و عورت کا حصہ تھا۔ آپؐ نے قافلہ کی خبر رسانی کیلئے وفد بھیجا اور صحابہؓ کو قافلہ کی روک تھام کے لئے تیار رہنے کا ارشاد فرمایا۔ اتفاق سے ابوسفیان کو آپؐ کے ارادوں کا علم ہو گیا۔ اس نے ایک سوار قریش کے پاس مکہ بھیجا۔ قریش کا ایک لشکرِ جرار فوراً تیار ہو کر مکہ سے نکل کھڑا ہوا لشکر کو راستہ میں ابوسفیان کے قاصد سے معلوم ہو گیا

کہ قافلہ بحفاظت خطرہ کے مقام سے نکل آیا ہے لیکن قریش کے توارادے ہی اور تھے۔ سوائے چند افراد کے باقی آگے بڑھ گئے۔ ایک ہزار تجربہ کار جنگجو قریش کے پاس سات سَو اونٹ اور ایک سَو گھوڑے تھے۔ سب سوار اور اکثر پیادہ زرہ پوش تھے۔ دیگر سامانِ جنگ بھی وافر تھا۔ اس کے بالمقابل لشکرِ اسلام کی تعداد تین سَو تیرہ (۳۱۳) تھی۔ بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ سارے لشکرِ اسلام میں ستر اونٹ اور صرف دو گھوڑے تھے۔

ذفران کے مقام پر پہنچ کر آپؐ نے صحابہؓ کو لشکرِ قریش سے مقابلے کے متعلق آگاہ فرمایا۔ اکابر صحابہؓ نے جاں نثارانہ تقاریر کیں۔ مقداد بن عمرو نے کہا یا رسول اللہ! جہاں بھی آپ چلیں گے ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور ہم آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں لڑیں گے۔ آپؐ کا چہرہ مبارک صحابہ کی جاں نثارانہ تقاریر سُن کر خوشی سے تمتمانے لگا۔ رئیسِ اوس سعد بن معاذؓ نے کہا خدا کی قسم اگر آپ ہمیں سمندر میں کُود جانے کو کہیں تو کُود جائیں گے۔ لشکرِ اسلام نے مقامِ بدر پر پڑاؤ کیا۔ رمضان ۲ھ ہجری کی سترہ تاریخ تھی۔ خدائے واحد کے پرستار کھلے میدان میں سربسجود تھے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد پر خطبہ دیا اور تیر کے اشارہ سے مسلمانوں کی صفیں درست فرمائیں۔

لشکرِ کفار میں سے عتبہ اپنے بھائی اور بیٹے شیبہ اور ولید کو لیکر مبارز طلبی کی۔ حضرت ختمی المرتبت نے فرمایا۔ علی تم اُٹھو! حمزہ تم اُٹھو! عبیدہ تم اُٹھو! یہ تینوں حضورؐ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے عتبہ اور شیبہ کو ایک دو وار میں جہنم واصل کر دیا۔ حضرت عبیدہ اور ولید میں چند اچھی جھڑپیں ہوئیں۔ حضرت علیؓ اور حمزہؓ نے ولید کا بھی سر قلم کر دیا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی اپنے سائبان میں دُعا کیلئے تشریف لے گئے۔ آپؐ نے دُعا کی کہ اے میرے خدا اپنے وعدوں کو پُورا فرما۔ اے میرے مالک! اگر آج مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو دنیا میں تیرا نام لیوا کوئی نہ رہے گا۔ آپؐ اس قدر کرب کی حالت میں تھے کہ آپؐ کی چادر آپؐ کے کندھوں سے گر گر پڑتی۔ دراصل آپؐ کی یہی کرب ناک آہ و زاری تھی جس نے بے سروسامان اور غریب مسلمانوں کو مغرور قریش پر فتح دی۔

اس اثناء میں قریش نے عام حملہ شروع کر دیا۔ میدانِ جنگ میں کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ مسلمان بے چارے تعداد میں تھوڑے اور سامان میں کمتر، بے وطنی کے صدمات کے سارے ظاہری اسباب کے لحاظ سے کفار کے سامنے چند منٹوں کا کام۔

مگر ——— ایمان نے اُن کے اندر ایک

فوق العادت طاقت بھر دی تھی۔ حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت زبیرؓ نے دشمن کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں۔

غرضیکہ مسلمان کیا مہاجر اور کیا انصار پوری جاں فشانی سے خدا کی راہ میں لڑ رہے تھے۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے حضور دعا اور ابتہال میں مصروف تھے۔ کافی دیر کے بعد آپؐ اٹھے اور خدائی بشارت "سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُر" کا اعلان فرمایا۔ آپؐ نے خیمہ سے باہر آ کر نظر دوڑائی۔ کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ آپؐ نے ریت کی ایک مٹھی کفار کی طرف پھینکتے ہوئے جوش سے فرمایا ——— "شَاھَتِ الْوُجُوْہ"۔ ساتھ ہی مسلمانوں سے فرمایا۔ زور سے حملہ کرو۔ مسلمانوں کے کانوں میں اپنے محبوب کی آواز کا پڑنا تھا کہ انہوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور یکدم حملہ کیا۔ دوسری طرف آپؐ کا مٹھی بھر کر پھینکنا تھا کہ آندھی کا ایک جھونکا آیا جس سے کفار کے منہ، ناک اور آنکھیں مٹی سے بھرنے لگیں۔ جلد ہی قریش کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور میدان صاف تھا۔ مسلمانوں نے ستر کے قریب قیدی پکڑ لئے اتنی ہی تعداد مقتولین قریش کی تھی۔ جب مقتولین کی شناخت ہوئی تو قرآن کی آیت ویقطع دابر الکفرین کی ہیبتناک تعبیر سامنے آئی۔ اہلِ حق کو ستانے والوں کے نام

خدام الاحمدیہ کا کام کوئی معمولی کام نہیں

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:-

"خدام الاحمدیہ کا کام کوئی معمولی کام نہیں یہ نہایت ہی اہمیت رکھنے والا کام ہے۔ اور درحقیقت خدام الاحمدیہ میں داخل ہونا اور اس کے مقررہ قواعد کے ماتحت کام کرنا ایک اسلامی فوج تیار کرنا ہے۔ اور ہماری فوج وہ نہیں جس کے ہاتھوں میں بندوقیں یا تلواریں ہوں بلکہ ہماری فوج وہ ہے جس نے دلائل سے دنیا پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ ہماری تلواریں اور ہماری بندوقیں وہ دلائل ہیں جو احمدیت کی صداقت کے متعلق ہماری طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔ ہماری بندوقیں اور ہماری تلواریں وہ دعائیں ہیں جو ترقی احمدیت کے متعلق ہم ہر وقت مانگتے رہتے ہیں۔ اور ہماری بندوقیں اور ہماری تلواریں وہ اخلاق فاضلہ ہیں جو ہم سے صادر ہوتے ہیں۔

پس دلائل مذہبی، دعائیں اور اخلاق فاضلہ یہی ہماری توپیں اور یہی ہماری تلواریں۔ انہی توپوں اور انہی تلواروں سے ہم نے دنیا کے تمام ادیان کو فتح کر کے اسلام کا پرچم لہرانا اور ان پر غلبہ و اقتدار حاصل کرنا ہے۔"

(مشعل راہ صفحہ ۲۰-۲۲)

مکرم سردار رفیق احمد صاحب
سوسائٹی - کراچی

کیا بہتر ہے؟

بے ہنگم جسم
یا
خوبصورت سڈول انسان

(۲)

پیٹ پر قابو پانے کے ذرائع

پیٹ پر قابو پانے کے لئے سینہ کاوی کی ضرورت ہے۔ مختلف عمر کے لوگوں پر نظر ڈالنے سے بڑھے پیٹ کے لحاظ سے تین قسم کے لوگ نظر آتے ہیں۔ اوّل وہ نوجوان جن کے پیٹ بالکل متناسب ہیں۔ یعنی ۱۶ سے ۲۴ سال کی عمر تک کے۔ دوم وہ نوجوان جن کے پیٹ بڑھنا شروع ہو چکے ہیں مگر اس کا پھیلاؤ ابھی زیادہ نہیں ہے یعنی ۲۵ سے ۳۱ سال کی عمر کے لوگ۔ اور سوم وہ نوجوان جن کے پیٹ پھیل چکے ہیں۔

اوّل و دوم قسم کے نوجوانوں کے لئے تقریباً ایک ہی قسم کی ورزش کی ضرورت ہے جبکہ تیسری قسم کے لوگوں کے لئے ذرا مختلف قسم کی۔

سب سے پہلے اپنے ذہن کو ان اسباب کی طرف موڑیے جن سے پیٹ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک بہت بڑی وجہ کھانا کھانا ہے۔ تمام جانداروں میں سے انسان ہی ایک ایسا حیوان ہے جو بے پناہ کھا جاتا ہے۔ ہاں البتہ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ پالتو گھوڑے کتے اور بلی وغیرہ بھی بعض اوقات ضرورت سے زیادہ کھا جاتے ہیں مگر اس کو ذوقی بات سمجھئے یا حقیقت کہ

یہ بھی حضرتِ انسان کی صحبت کا اثر ہے ورنہ جنگلی حالت میں یہ ایسا نہیں کرتے۔ گوشت خور جانور شکار مارنے سے پہلے اکثر قدرے فاقہ کشی کرتے ہیں۔ اور ورزش تو خیر اُن کی ہوتی ہی رہتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ آج تک کسی نے ایسا جانور نہیں دیکھا ہوگا جس کا معدہ انسانوں کے معدہ کی طرح توند یا گوگڑ کی شکل میں نمایاں ہوا ہو۔ مگر انسان بوجہ اشرف المخلوقات ہونے کے برخلاف فطرت فعل کرتا ہے۔ خوش قسمتی سے معدہ اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ ربڑ کی طرح کھنچ اور تن کر بڑا ہو سکتا ہے اسلئے اس میں اگر ضرورت سے زیادہ کھانا ڈال دیا جائے تو وہ قبول کر لیتا ہے اور حتی الامکان اس کو ہضم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ طبی لحاظ سے معدہ کو کم از کم ۵ گھنٹے اوسطاً اپنے آپ کو خالی کرنے میں لگتے ہیں۔ مگر ہم میں سے بعض ایسے ہیں کہ تین گھنٹے بھی نہیں گزرتے کہ اس کو پھر بھرنا شروع کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انکا معدہ ویسا ہی تنا کھنچا رہ جاتا ہے اور اس طرح سکڑنے کی قوت آہستہ آہستہ جاتی رہتی ہے اور وہ ایک بوری کی طرح توند کی شکل میں نمایاں ہو جاتا ہے اور جسم کے اندر دوسرے اعضائے رئیسہ کو اُن کی مقررہ جگہ سے ہٹا دیتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ معدے میں تقریباً ڈیڑھ کوارٹ (تیس اونس) غذا سماتی ہے (ایک چھٹانک=۲ اونس) لیکن بعض اشخاص کے معدوں میں (جنہیں خدا نے اطمینان سے بنایا ہے) اس سے پانچ گنی غذا بھی سما سکتی ہے۔!

پھر بعض لوگ کھانے کے دوران بے تحاشا پانی پیتے ہیں یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ اگر پانی پینا ہی ہے تو کھانے سے پانچ دس منٹ پہلے پی لینا چاہیئے یا کھانے کے کچھ دیر بعد۔ کھانے کے دوران پانی پینا اطباء پسند نہیں کرتے۔ البتہ چند گھونٹ پینے سے فرق نہیں پڑتا۔ جب نوالہ پھنس جائے تو ایک دو گھونٹ پانی پی لینا چاہیئے۔ زیادہ پانی پینے سے معدہ کی رطوبتیں پتلی ہو جاتی ہیں اور غذا (غلہ۔ گوشت۔ گھی۔ دودھ وغیرہ) کے تغیر اور استحالے کا عمل جس کے لئے ان رطوبتوں کی ایک مخصوص طاقت درکار ہے کمزور پڑ جاتا ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ پانی اور دوسرے مشروبات بہت جلدی معدے سے آگے گزر جاتے ہیں مگر جتنا عرصہ وہ معدہ میں قیام کرتے ہیں رطوبتوں کو پتلا ضرور کر دیتے ہیں۔ اور ان کے لئے وہی طاقت دوبارہ قائم کرنا نسبتاً مشکل ہو جاتا ہے اور پھر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ محض غذا کے نظارے سے ہی یا خوشبو سے جو رطوبتیں اول لگاتار پیدا ہوئی تھیں وہی رطوبتیں بعد میں بھی پیدا ہوں گی خصوصاً جبکہ معدہ اس غذا کا وقتی طور پر عادی ہو چکا ہوگا۔ اور اگر پیدا ہوں بھی تو اتنی [illegible] رہیں غیر یقینی امر ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ غذا [illegible] میں وقت زیادہ لگے گا۔ اور ابھی پہلی غذا معدہ

میں موجود ہوگی کہ دوسرے کھانے کا وقت آجائیگا اور اس طرح معدہ بھرا ہی رہے گا۔

یہ بھی مدنظر رکھنا چاہیئے کہ ہماری غذا میں تین قسم کے اجزا شامل ہیں؟ لحمیات (پروٹین)، شکری نشاستی مواد (کاربوہائیڈریٹ) اور روغن (آئیل یا فیٹس ۔ Fats)۔ جب ہم پانی وغیرہ پیتے ہیں تو معدہ میں سے سب سے پہلے پانی آگے بھیجا جاتا ہے۔ پھر شکری نشاستی مواد تغیر پذیر ہو کر فم معدہ کے والو سے آگے گزرتا ہے اور سب سے آخر میں روغنیات کے استحالے کا عمل ہوتا ہے۔ لحمیات اور شکری نشاستی مواد تو نکل جاتا ہے مگر روغنیات میں کافی وقت لگتا ہے۔ اب اگر پانی زیادہ پی لیا جائے تو روغن جو کہ غذا میں ۔ غذا کے گرم ہونے کی صورت میں ۔۔۔ مائع حالت میں معدہ میں پہنچ چکے ہوتے ہیں ٹھنڈے پانی کی بدولت دوبارہ ٹھوس شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ان کو دوبارہ مائع حالت میں لانے اور پھر ان کی تحلیل کے لئے معدہ کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے جس کے لئے کافی توانائی ہوتی ہے۔ پھر یہ کہ اس عمل کے لئے وقت بھی کافی درکار ہوتا ہے۔ اور ابھی پہلے روغن ہضم نہیں ہوتے کہ نئے کھانے کا وقت آجاتا ہے۔ پیٹ نا ہموار ہی رہتا ہے۔

باقی تمام لوگوں کے (اور ان کی تعداد ۹۰ فیصد سے متجاوز ہے!) پیٹ کے پٹھے مضبوط نہیں ہوتے۔ جب بار بار خوب ٹھونس ٹھونس کر غذا کھائی جاتی ہے تو معدہ کی دیواروں کی کھنچاوٹ بھی کم ہو جاتی ہے اور پیٹ کے پٹھے بھی ڈھیلے پڑ جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ معدہ اور انتڑیوں کے بوجھ کو اٹھانے کے قابل نہیں ہوتے اور اس طرح پیٹ ڈھلک پڑتا ہے اور یہ بنیاد ہے توند نکلنے کی۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ پیٹ کی ورزش کتنی اہم ہے۔

یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے پڑھی جائے گی کہ عام لوگ کہتے ہیں کہ کھانا کھانے کے بعد پیٹ پر ہاتھ پھیرنے سے بھی پیٹ بڑھتا ہے۔ واللہ اعلم۔

پیٹ کے لئے ورزش

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ان نوجوانوں کے لئے جن کا پیٹ اللہ کے فضل سے قابو میں ہے اور ان کے لئے جن کے پیٹ ذرا سا نکلنا شروع ہوئے ہیں ایک ہی قسم کی ورزش ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ موخرالذکر کو یہ ورزش زیادہ فکر سے کرنا پڑے گی۔ اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ یقین رکھیں کہ پیٹ پر آسانی سے قابو پایا جا سکتا ہے۔

ذرا سی توجہ کی ضرورت ہے۔ پیٹ کے لئے یوں تو کئی ورزشیں تجویز کی جاتی ہیں اور کم و بیش ہر ایک کا مقصد ایک ہی ہے لیکن ذیل میں وہ ورزشیں بیان کی جاتی ہیں جن سے زیادہ اور دیرپا

اثر ہوتا ہے۔

۱۔ پاؤں کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رکھ کر سیدھے کھڑے ہو جائیے اور ہاتھ رانوں کے ساتھ لگا لیجئے۔ اب دونوں بازوؤں کو ایک ساتھ سامنے اور اُوپر کی طرف اس طرح حرکت دیجئے کہ وہ کندھوں کے بالمقابل آ جائیں۔ اب وہاں پر بازو ساکن مت رہنے دیں بلکہ اسی زورِ حرکت میں واپس آنے دیجئے بلکہ پیچھے بھی جانے دیجئے اور پھر ایک زور کے ساتھ ہاتھوں کو اُسی سمت میں اُوپر لے جائیے تاکہ ان کی آخری شکل یہ ہو کہ دونوں بازو سر کے دائیں بائیں سیدھے کھڑے ہوئے ہوں اور انگلیاں سیدھی آسمان کی طرف اُٹھی ہوئی ہوں۔ یہ ایک چکر پورا ہوا۔ اب ہاتھوں کو ابتدائی حالت میں واپس لائیے اور دوبارہ یہی دَور شروع کیجئے ---- اس سے آپ کے قد کو بھی فائدہ ہوگا اور ساتھ ہی پیٹ کے پٹھوں کو بھی۔ اس کو ابتداء میں گیارہ مرتبہ کیجئے۔ رفتہ رفتہ بڑھا دیجئے۔

۲۔ ورزش ۱ کے بعد پھر سیدھے کھڑے ہو جائیے اور پاؤں ۸ کی شکل میں جوڑ لیجئے۔ اب رکوع کی سی حالت میں جاتے ہوئے اپنے ہاتھ یا ہاتھوں کی انگلیاں زمین کو لگانے کی کوشش کیجئے۔ لیکن یاد رہے کہ ٹانگوں میں خم نہ آئے۔ نہ اندر کی طرف اور نہ ہی اطراف میں۔ زمین کو ہاتھ لگا کر دوبارہ کھڑے ہو جائیے۔ اور پھر اس کو دوہرائیے۔ اس کو بھی گیارہ مرتبہ کیجئے۔ بعد میں بڑھایا جا سکتا ہے۔ جن نوجوانوں کے ہاتھ زمین پر لگ سکتے ہیں وہ پورا ہاتھ زمین پر لگانے کی کوشش کریں۔ اور جن کے پورے ہاتھ لگ سکتے ہیں وہ پاؤں کے سامنے کی طرف دُور سے دُور ہاتھ لگانے کی کوشش کریں۔ یاد رہے کہ اس سلسلے میں ٹانگیں سیدھی رہنی چاہئیں اور سُستی نہیں ہونی چاہیئے۔ اس سلسلے میں ایک موٹے آدمی کا واقعہ یاد آتا ہے جو کہ پیٹ کی موٹائی کی وجہ سے جھک نہیں سکتا تھا۔ اُس نے پاؤں میں کھسّہ نما جوتا پہنا جس کی چونچ گھوم کر کافی اُوپر تک آتی تھی۔ وہ جب یہ ورزش کرتا تو اسی چونچ کو انگلی لگا لیتا تھا اور بس۔ یعنی جس مقصد کے لئے ورزش کی جاتی تھی وہ مقصد ہی فوت ہو گیا۔

۳۔ نمبر ۲ کے بعد پھر سیدھے کھڑے ہو جائیے اور ہاتھ کولہوں پر رکھئے اور پیچھے کی طرف اُوپر کا دھڑ آہستہ آہستہ موڑیئے اور پھر واپس لائیے۔ اس کو سات مرتبہ دوہرائیے۔ یہ تینوں ورزشیں یکے بعد دیگرے کوئی

ہوں گی۔ اور تینوں کا مشترکہ عمل یہ ہوگا کہ پیٹ کی چربی تحلیل ہو گی اور محیط کم ہونا شروع ہو جائے گا نیز نوجوانوں میں پیٹ کے پٹھے بننے شروع ہوں گے۔ ٹانگوں کی رگیں لچکدار ہوں گی۔ قد لمبا ہوگا۔ اس کے علاوہ موٹے لوگوں اور نوجوانوں کی کمر پر پہلوؤں کی طرف چربی ہوتی ہے۔ موٹے لوگوں پر زیادہ ہوتی ہے اور نوجوانوں پر ابھی جمع ہونا شروع ہوتی ہے۔ اس سے ایک خوبصورت جسم کی خوبصورتی میں فرق پڑ جاتا ہے اور چربی کی موٹی تہہ آہستہ آہستہ بڑھنی شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے بھی ایک ورزش ہے۔ سیدھے کھڑے ہو جائیے اور اپنے سر کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے ایک پہلو کی جانب پوری طرح جھکئے۔ پھر دوسرے پہلو کی طرف پوری طرح جھکئے۔ اس طرح دونوں طرف شروع شروع میں ۵ مرتبہ اور پھر جتنا زیادہ ہو سکے بڑھا کر یہ ورزش کرنی چاہیئے۔

۴۔ زمین پر لیٹ جائیے۔ ٹانگیں ملا کر پاؤں کی ایڑیاں بھی ملا لیجئے۔ بازو پہلوؤں کے ساتھ لگا لیجئے۔ اب آرام سے اپنے سر کو اٹھائیے اور جسم کے اوپر والے حصے کو خم دیکر ناک کو گھٹنوں سے لگانے کی کوشش کیجئے۔ اگر نہ لگے تو بازوؤں کو پاؤں کی انگلیوں کی طرف لیجائیے اور پھر سر کو جھکا کر گھٹنوں سے لگانے کی کوشش کیجئے۔ پھر آہستہ آہستہ واپس اسی حالت میں لیٹ جائیے اور اس کو بھی گیارہ مرتبہ کیجئے۔ رفتہ رفتہ تعداد میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ احتیاط لازم ہے کہ گھٹنے زمین سے نہ اٹھیں اور ٹانگیں اور پاؤں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملے رہیں۔ موٹے پیٹ والوں کے لئے یہ ورزش کرنا بہت مشکل ہوگا کیونکہ اُن کے پیٹ کی چربی اس بات کی اجازت نہیں دے گی۔ ان کو اس سلسلہ میں سعیٔ پیہم سے کام لینا پڑے گا۔ آخر پچیس تیس سال سے جو خرابی پیدا ہوئی ہے اس کو دور کرنے کے لئے کچھ وقت تو ضرور لگے گا۔ اگر ایک سال بھی لگے تو بھی کم ہے۔ ویسے قلیل عرصہ میں ایسے اصحاب خود واضح فرق محسوس کریں گے۔

جو نوجوان یہ ورزش کر سکیں اُن کیلئے اس سے اگلا درجہ یہ ہے کہ وہ زمین پر سیدھے لیٹ جائیں اور ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر سر کے نیچے رکھ لیں۔ اب کہنیوں کو زمین پر متوازی طور پر رکھیں۔ اب آہستہ آہستہ جسم کے نصف اوپر والا دھڑ اٹھائیے اور گھٹنوں کو ناک لگانے کی کوشش

کیجئے۔ یاد رہے کہ دونوں ٹانگیں ملی رہنی چاہئیں اور گھٹنے بھی زمین سے اُٹھنے نہ پائیں۔ پھر آہستہ آہستہ واپس لیٹ جائیے۔ اسی طرح ہاتھ سر کے نیچے باندھے ہوئے اور کہنیاں سیدھی رہیں۔ اس ورزش کو جتنی مرتبہ کر سکیں اچھا ہے لیکن روزانہ اسی تعداد میں کرنا ضروری ہے۔ اس سے کم نہیں زیادہ بے شک ہو جائے۔

ورزش نمبر ۴ پیٹ کے پٹھے بنانے کیلئے ایک بہت ضروری ورزش ہے۔ اسکو اسکی شرائط کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ پیٹ کے پٹھے بننے میں کافی وقت لگتا ہے لیکن اگر ایک دفعہ بن گئے تو پھر یہ دیر تک قائم رہتے ہیں۔

۵۔ اگر وزن اُٹھانے کا سامان کسی کے پاس ہے تو یہ ایک نعمت ہے۔ وزن اُٹھانے کی روزانہ مشق سے انسان کے پٹھوں میں مضبوطی آجاتی ہے اور پٹھوں میں زیادہ کام کرنے کی طاقت آجاتی ہے۔ مختلف طریقوں سے وزن اُٹھانے سے جسم کے مختلف اعضاء کی مضبوطی عمل میں آتی ہے۔ وزن اُٹھانا بذاتہٖ ایک علیحدہ موضوع ہے اسلئے اِس وقت اس پر قلم اُٹھانا چھتے میں پاؤں دینے کے مترادف ہوگا۔ البتہ پیٹ کے پٹھوں اور چھاتی کے پٹھوں کی بناوٹ کے لئے جس انداز سے وزن اُٹھایا جاتا ہے اس کا ذکر بے محل نہیں ہوگا۔

وزن کو ہاتھ کی ہتھیلیوں پر اُٹھائیے اور سیدھے کھڑے ہو جائیے۔ اب اس کو آہستہ آہستہ اُٹھا کر ٹھوڑی تک لائیے اور پھر آہستہ واپس گھٹنوں کے قریب لا کر کھڑے ہو جائیے پھر اس کو بار بار کیجئے۔ ابتداء میں گیارہ مرتبہ کرنا مناسب ہوگا۔ سات یا نو مرتبہ بھی مناسب ہے۔ ایک ہفتہ کے وقفہ کے بعد تعداد بڑھانی چاہیئے۔ اِس سلسلہ میں ایک ہدایت یہ ہے کہ جب وزن گھٹنوں کی طرف سے ٹھوڑی تک لایا جائے تو اُس وقت سانس لینا چاہیئے اور واپسی پر خارج کرنا چاہیئے۔ دوسرا یہ کہ صرف کہنیوں سے آگے تک کا حصہ حرکت میں آتا ہے کندھوں کے ساتھ کا حصہ زیادہ حرکت نہیں کرتا۔

امید ہے اِس ورزش کی صحیح شکل ذہن میں آچکی ہوگی۔

اگر آپ کے پاس ایک ایسا میز ہے جس کی دو ٹانگیں چھوٹی اور دو بڑی ہیں تو یہ بہت مناسب ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ایسی سطح ہونی چاہیئے جو زمین کے ساتھ تیس پینتیس کا زاویہ بنائے۔ اس پر آپ اِس طرح لیٹ جائیے کہ آپ کا سر اونچی سطح کی جانب ہو اور پاؤں نچلی سطح کی جانب۔

اور ہاتھوں میں وزن اس طرح اُٹھایا ہوا
ہو کہ ہاتھوں کی پچھلی سطح آپ کے چہرہ کی
طرف ہو۔ اب وزن کو آہستہ آہستہ اٹھائیے
پھر یہاں تک کہ بازو سیدھے آپ کے
سر پر وزن کو اُٹھائے ہوئے کھڑے ہوں۔
اب اسی حالت میں پیچھے کی طرف آہستہ آہستہ
لیجائیے اور پھر ایک لمحہ کے لئے وہیں رُک جائیے
پھر آہستہ آہستہ واپس لائیے اور اس کو
دوہرائیے۔ ابتداء میں وزن کم رکھنا چاہئیے
بعد میں بڑھایا جاسکتا ہے۔ اس سے پیٹ
اور سینے کے پٹھے بنتے ہیں۔

۶۔ پیراکی

فارغ اوقات میں تیرنا ایک بہت ہی محبوب
مشغلہ ہے۔ یہ صحت کے لئے ایک نہایت ہی مناسب
ورزش ہے کیونکہ اس سے تمام جسم کی ورزش ہوجاتی ہے
اور آہستہ یا تیز تیرنے سے یا کم و بیش تیرنے سے سخت یا
نرم طور پر ورزش کی جاسکتی ہے اور یہ تیراک کی اپنی
مرضی ہے کہ وہ کس قسم کی ورزش کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ
اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ نوجوان مصیبت کے وقت
اپنی یا کسی اور کی زندگی بھی بچا سکتا ہے اور پھر یہ کہ
تیراکی سیکھنے کے لئے کوئی زیادہ محنت کی ضرورت بھی
نہیں۔ نہایت آسانی کے ساتھ سیکھی جاسکتی ہے اور
سائیکل چلانے کی طرح یہ بھی اگر ایک دفعہ سیکھ لی جائے
تو کبھی نہیں بھولتی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اعتماد
پیدا کیا جائے اور اگر پانی کا کوئی ڈر ہے تو اسکو دور
کیا جائے۔ ایسے خدشات بالکل بے بنیاد ہوتے
ہیں کیونکہ پانی ایک ایسی چیز ہے جو خود بخود انسان
کو سطح کی طرف لاتی ہے نہ کہ اس کو نیچے کی طرف کھینچنے
والی۔ نیچے جانے کے لئے اور پھر نیچے ٹھہرنے کیلئے
باقاعدہ جسمانی کوشش درکار ہے۔ اور اگر یہ کوشش
ترک کردی جائے تو تیراک خود بخود اُوپر آجاتا ہے۔
بہت سے ایسے لوگ جنہیں تیرنا نہیں آتا جب مشکل میں
پھنستے ہیں تو بے قاعدگی سے ہاتھ پاؤں مار کر اپنی مشکلات
میں اضافہ کر لیتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح وہ اپنے آپکو
آسانی سے نیچے لے جانے والے ہوجاتے ہیں۔ بہرحال
جن شہروں کے قریب چھوٹی موٹی نہریں بہتی ہیں ان
کے مکینوں کو چاہیئے کہ تیرنا فوراً سیکھیں۔ جن کو تیرنے
کے لئے تالاب جیسی نعمت میسر ہے ان کو اس سے
پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ انگریز اور یورپین لوگ
اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو تیرنے کی مشق کرواتے
ہیں۔ ایک دفعہ خاکسار نے ایک ایسے جرمن کو دیکھا
جس نے اپنی اڑھائی تین سالہ بچی کو تالاب میں
چھوڑا ہوا تھا اور وہ تیر رہی تھی۔ پوچھنے پر اُس
نے بتایا کہ اس نے اولمپک میں نام پیدا کرنا ہے۔
بہرحال قطع نظر دوسری باتوں کے اس سے اُس کے
عزم کا اظہار ہوتا ہے۔ کسی کام کے لئے بچپن ہی سے
تربیت لازمی امر ہے۔

تیرنے سے انسان کا جسم سڈول بنتا ہے۔
ہر طرف سے مناسب نشوونما ہوتی ہے۔ پاؤں کی

انگلیوں سے لے کر سر تک ہر عضو کی ورزش ہو جاتی ہے۔ اور پھر گرمیوں میں تو یہ اور بھی مفید ورزش ہو جاتی ہے کیونکہ دوسری قسم کی کھیلوں میں انسان پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے جبکہ اس میں ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ مچھلی کا جسم تو آپ نے دیکھا ہی ہوگا۔!

قصہ مختصر تیرنے سے پیٹ کے پٹھے نسبتاً جلدی بنتے ہیں۔ اور اگر تیرنے کی مشق باقاعدگی سے کی جائے تو چند ہفتوں میں نمایاں فرق پڑ جاتا ہے۔

تیرنے کے علاوہ مختلف قسم کی کھیلیں کھیلنے سے بھی پیٹ کے پٹھوں پر صحت مند اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ جو کھیلیں کھلے میدان میں کھیلی جاتی ہیں اُن میں چلنا اور دوڑنا تو پڑتا ہی ہے جو کہ پیٹ کی صحت کے لئے بہت ضروری ہے۔

مندرجہ بالا ورزشیں اُن لوگوں کے لئے ہیں جن کے پیٹ نمودار ہونا شروع ہوئے ہیں یا ان نوجوانوں کے لئے جن کے پیٹ واضح طور پر اپنی ہستی منوا چکے ہیں مگر اُن کی عمر ابھی چالیس سال سے متجاوز نہیں ہے۔ چالیس سال کے قریب یا اس سے زائد عمر کے لوگوں کے لئے ایک نئی ورزش شروع کرنا خواہ وہ کسی قسم کی ہی کیوں نہ ہو ایک احتیاط طلب امر ہے۔ اس وقت ایسے اصحاب کی رگیں سخت ہو چکی ہوتی ہیں۔ پھیپھڑوں کی قوت کم ہو چکی ہوتی ہے اور مختلف عوارض بھی (ممکن ہے) بعض اوقات نمودار ہو جاتے ہیں۔ ان تمام اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے اصحاب کیلئے یہ بات بہت ضروری ہوگی کہ وہ ہر نئی ورزش معمولی طور پر شروع کریں۔ فوراً ہی زیادہ سختی سے ورزش نہیں شروع کر دینا چاہیئے۔ رفتہ رفتہ ورزش کرنے کی مقدار کو بڑھایا جا سکتا ہے مگر یہ روزانہ کا معمول ہونا چاہیئے۔ ان کو یہ خیال قطعاً نہیں آنا چاہیئے کہ معمولی سی ورزش سے کیا فرق پڑے گا۔ یہ بات غلط ہے۔ گندم اگر بہم نرسد جو غنیمت است۔

راقم الحروف کے ابا جان حضرت سردار عبدالرحمٰن صاحبؓ (مہر سنگھ) خوب ورزش کیا کرتے تھے۔ بچپن میں گہرے سے گہرے کنویں میں اُتر جایا کرتے تھے اور کشتی کا شوق بھی رکھتے تھے۔ اسّی سال کی عمر میں بھی صبح کی سیر اور روزانہ ورزش باقاعدگی سے کیا کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ مجھے پچاس سال سے زائد عرصہ ہو گیا ہے کہ بخار نہیں ہوا۔ تیراک بھی اعلیٰ قسم کے تھے۔ پنجاب کے ایک دو دریا (یا شاید اس سے زیادہ) تیر کر پار کئے ہوئے تھے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصحاب کبار میں سے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں صاحب الہام و صاحب رؤیا و کشوف بنایا تھا۔ جو دوست بھی ان سطور کو پڑھیں انکے درجات کی بلندی کیلئے دعا کریں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

ان سطور کے لکھنے سے مراد یہ ہے کہ دینی کام میں انسان کتنا ہی مشغول کیوں نہ ہو صحت کے قائم رکھنے کے لئے اس کو ورزش ضرور کرنی چاہیئے۔ اگر صحت اچھی نہ ہوگی تو بیماریاں آگھیریں گی اور دینی کام میں بھی خلل پیدا ہوگا۔ (باقی)

مکرم نسیم بابر صاحب
راولپنڈی

ایک مفید تربیتی سفر!

ہفتہ گیارہ اگست کی تپتی دوپہر تھی، کئی دنوں کی بارش کے بعد دو دن سے مطلع صاف تھا اور گرمیوں کی مخصوص تیز دھوپ۔ راولپنڈی صدر کی مجلس کے خدام تربیتی سفر کے پروگرام کیلئے مقررہ جگہ پر دو بجے سے آنے شروع ہو گئے تھے تین بجے بس روانہ ہوئی اور مسجد نور سے باقی خدام، مربی صاحب، امیر صاحب ضلع اور قائد صاحب ضلع راولپنڈی کو لیتی ہوئی دعاؤں کے جلو میں مری کی بلند و بالا پہاڑیوں کی طرف روانہ ہوئی۔ سترہ میل کے بعد بس نے پہلا گیئر اونچائی کا لگایا۔ اب پہاڑی راستہ شروع ہو چکا تھا اور بس بل کھاتی چکر لگاتی کوہ مری کو سر کر رہی تھی۔ قریب تھا کہ یہ چکر دماغ کو بھی چکرا دیتے کہ اچانک بس نے سڑک کے درمیان میں سے موڑ کاٹا، ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آیا جو دل و دماغ کو معطر کر گیا اور بس چھرہ پانی پر رک گئی۔ خدام کی جان میں جان آئی۔ سب ہی نیچے اتر پڑے اور چشموں کے صاف شفاف ٹھنڈے پانی سے لطف اندوز ہونے لگے۔ کہ سبحان اللہ! مری کے آثار شروع ہو گئے تھے۔

چند منٹ بعد پھر بس روانہ ہوئی۔ لحظہ بلحظہ چاروں طرف ہریالی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ چیڑھ کے لمبے لمبے خوبصورت درخت دیکھ کر بے اختیار دل خدا تعالیٰ کی حمد سے معمور ہو جاتا اور زبان پر ذکر الٰہی جاری ہو جاتا۔ سڑک بل کھاتی لہراتی خطرناک موڑ کاٹ رہی تھی اور بعض خدام بس کے ساتھ ساتھ چکر کھا رہے تھے۔ سفر کے دوران خدام کو عام اور دینی معلومات کے پرچے تقسیم کئے گئے۔

پانچ بج کر بیس منٹ پر بس اپنی منزلِ مقصود گلڈنہ پہنچی۔ بس سے اتر کر پہاڑی کے اوپر نظر دوڑائی تو اپنی جائے قیام مسجد احمدیہ گلڈنہ دیکھ کر خدام کا دل باغ باغ ہو گیا۔ سرسبز پہاڑ پر اونچے اونچے درختوں کے جلو میں چھوٹی سی مسجد بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ پھر خوشگوار موسم، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور آسمان پر تیرتے بادلوں کے آوارہ ٹکڑے، سفر کی تھکن پل بھر میں غائب ہو گئی۔ سڑک سے اونچی مسجد تک سامان لے جانا ایک مسئلہ ضرور تھا مگر ایسے سہانے موسم میں پتہ بھی نہ لگا۔

انتظامات کے لئے ہراول دستہ افتخار احمد بھٹی صاحب کی قیادت میں صبح ہی پہنچ چکا تھا۔ ان کے معاونین اشرف چغتائی اور افضل صدیقی صاحب نے چائے تیار کر رکھی تھی۔ مسجد کے صحن میں دریاں بچھ گئیں، سٹیج سج گیا اور چائے کا دور چلنے لگا۔ منتظم پروگرام رفیق احمد نوری صاحب، مکرم قائد صاحب مجلس شیخ عبدالرشید صاحب کے ساتھ افتتاحی اجلاس کی تیاری میں مصروف تھے۔

چھ بج کر دس منٹ پر اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ عہد اور نظم کے بعد امیر جماعت ضلع راولپنڈی مکرم چوہدری احمد جان صاحب نے کلاس کا افتتاح فرمایا۔ قائد ضلع راولپنڈی مکرم منیر الحق شاہد صاحب نے خدام کو ضروری ہدایات دیں۔ پھر درس ملفوظات اور مشعل راہ کے بعد سات بجے اجلاس کی کارروائی ختم ہوئی۔ اس کے بعد "کلوا جمیعاً" کا پروگرام تھا مگر بعض خدام جو کھانا نہیں لا سکے تھے ان کے لئے چولہے پر دال گل رہی تھی۔ نماز مغرب و عشاء کے بعد خدام کو کھانا کھانے کے اسلامی آداب بتلائے گئے۔ ساڑھے آٹھ بجے پھر اجلاس شروع ہوا۔ حسب معمول تلاوت و نظم، درس ملفوظات اور مشعل راہ کے بعد وفات مسیح اور صداقت مسیح موعودؑ پر ایک ایک قرآنی آیت خدام کو سمجھائی گئی۔

نو بجکر بیس منٹ پر اجلاس ختم ہوا۔ ساتھ ہی خدام کھانے کے لئے تیار ہو گئے۔ برتن بجنے لگے۔ کوئی دس بجے تک کھانے سے فراغت ملی۔ پھر جب سونے کی تیاری شروع ہوئی تو جس کو جہاں جگہ ملی سو گیا۔ ساتھ ہی ناشتے کے لئے چنے پکنے کی آواز لوری دیتی رہی۔

صبح تین بجے تہجد کے لئے اٹھنا تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں ٹھنڈے یخ پانی سے وضو کرنے کے بعد خوب سردی محسوس ہو رہی تھی۔ ساڑھے تین بجے تہجد شروع ہوئی اور چار بج کر دس منٹ تک جاری رہی۔ پھر تسبیح و تحمید کا دور شروع ہوا۔ بعد نماز فجر سترہ آیات کا پر معارف درس اور درس حدیث ہوا۔ پانچ بج کر بیس منٹ پر فارغ ہونے کے بعد سیر و ورزش کا مختصر وقفہ تھا مگر چنوں نے گلنے میں دیر لگا دی۔ چنانچہ گھنٹہ بھر بعد پھر اجلاس شروع ہوا جس میں تلاوت و نظم، ملفوظات و مشعل راہ کے درس کے علاوہ امکان نبوت پر ایک قرآنی آیت کی تشریح اور خلافت کی ضرورت کے موضوع پر تقریر ہوئی۔ آٹھ

آٹھ بج کر چالیس منٹ تک ناشتہ کے بعد سیر اور مطالعہ قدرت کا پروگرام شروع ہوا۔ خدام مختلف گروپوں میں تقسیم ہو کر خدائے تبارک و تعالیٰ کی قدرتوں کا نظارہ کرنے لگے۔ فطرت کے حسن اور قدرت کے نقش و نگار سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کوئی کشمیر پوائنٹ کی طرف نکل گیا تو کسی نے پنڈی پوائنٹ کا رخ کیا۔ کچھ مال پر گھومتے

رہے تو کچھ باغ کی طرف چل دیئے۔ جگہ جگہ بادل نیچے اُتر آتے اور بارانِ رحمت برسنے لگتی۔ بارہ بجے آہستہ آہستہ خدام واپس آنے لگے صبح کے ناشتے میں خدام کو نان اور چنوں کے ساتھ کچھ رُوحانی غذا یعنی لٹریچر بھی برائے تقسیم دیا گیا تھا۔ واپس آئے تو سارا تقسیم ہو چکا تھا۔ کھانا تیار کرنے والے جن میں چوہدری مشتاق احمد صاحب بھی شامل ہو گئے تھے مستعد تھے۔ دو بجے تک سب سیر ہو چکے تھے۔

نمازِ ظہر و عصر کے بعد پونے تین بجے آخری اجلاس شروع ہوا۔ تلاوت، نظم، ملفوظات و مشعلِ راہ کے درس کے بعد صحابہؓ کے ایمان افروز واقعات سُنائے گئے۔ ذکر حبیبؑ ہوا۔ سیرت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریر ہوئی پھر خدام کے دینی و علمی سوالات کے جواب کا دلچسپ سلسلہ شروع ہوا جس میں خدام نے بہت دلچسپی سے حصہ لیا۔ جوابات حرتیبانِ سلسلہ محترم راجہ نصیر احمد صاحب، مکرم خلیفہ صباح الدین صاحب اور مکرم عبدالمالک صاحب نے دیئے جو تربیتی کلاس کے دوران بھی امیر صاحب ضلع اور قائد صاحب ضلع کے ہمراہ درس و تدریس کرتے رہے تھے۔ چونکہ تربیتی کلاس میں جو کچھ پڑھایا گیا تھا اس کے متعلق خدام سے امتحان لیا گیا۔ چائے کا دور بھی ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ بعدہ مکرم قائد صاحب ضلع نے اختتامی خطاب فرمایا۔ محترم امیر صاحب نے اس نصیحت کے ساتھ کہ خدام نے جو کچھ اس دوران حاصل کیا واپس جا کر اس پر عمل کریں، دُعا کرائی اور اس پر ہمارا تربیتی پروگرام خاتمہ کو پہنچا۔

مقابلہ مقالہ نویسی

امسال مقالہ کا عنوان "صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام از رُوئے قرآن" ہوگا۔

یہ مقالہ ۱۲ سے ۱۵ ہزار الفاظ پر مشتمل ہونا چاہیئے۔

مقالہ ذاتی محنت سے لکھا جائے محض نقل نہ ہو۔

مرکز میں مقالہ پہنچنے کی آخری تاریخ ۳۰ جون ۷۴ء ہوگی۔ اوّل، دوم، سوم آنے والے مقالوں پر بالترتیب ۱۰۰، ۶۰، ۴۰ روپے کے نقد انعامات سالانہ اجتماع کے موقعہ پر دیئے جائیں گے

مہتمم تعلیم

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ

مکرم اکرم یوسف صاحب
راولپنڈی صدر

قبرستان میں

کل ہی کی تو بات ہے، ہم لوگ مغرب کی نماز پڑھ چکے تھے، عاملہ کا اجلاس ہوتا تھا۔ ہلکی ہلکی سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔

"بابر نہیں آیا"

"بس آ ہی رہا ہوگا"

"وہ ہے تو بڑا باقاعدہ"

دروازہ کھلا اور حلقہ ریلوے لائنز کے ایک خادم آئے۔ "ہمارے حلقہ میں ایک بزرگ انتقال کر گئے ہیں ان کا جنازہ کچھ دیر بعد ہوگا، لوگ بہت کم ہیں، آپ بھی اس میں شامل ہو جائیں تو بہت اچھا ہے"۔

"چلنا چاہیئے" ایک آواز آئی اور پھر کسی نے کچھ نہ سوچا سب تیار ہو گئے۔ کچھ دیر بعد سائیکلوں کا قافلہ ریلوے لائنز کی طرف چل پڑا۔ کتنی عمر تھی؟ کیا نام تھا؟ کیا کرتے تھے؟ بیمار تھے؟ غرض ایسے تمام سوال ختم ہو گئے لیکن راستہ ابھی باقی تھا۔ جائے حادثہ پر پہنچے تو پتہ چلا کہ جنازہ قبرستان کی طرف جا چکا تھا۔

اوہ! یہ تو بہت برا ہوا"۔ قبرستان کی طرف چلیئے"۔ قائد مجلس کی پُروقار آواز آئی اور سائیکلیں سدھائی ہوئی بھیڑوں کی طرح قبرستان کی طرف چل پڑیں۔

قبرستان پُرہول سناٹوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ دُور دُور تک قبروں کا جال اور پھر اندھیرے میں برساتی کیڑے مکوڑوں کی آوازیں ماحول کو اور بھی ڈراونا بنا رہی تھیں۔ ہم سب پر ایک خاموشی سی طاری ہو گئی۔ ٹھیک ہی تو کہا تھا کسی نے:۔

"But a thought
of late death,
took all my
hearts of speach."

"ہم جنازے کو ڈھونڈتے ہیں باقی خدام یہیں ٹھہریں" زعیم حلقہ پشاور روڈ نے کہا۔ اور گھاس کے درمیان بنے ہوئے راستہ پر چلنے لگے مجھے جانے کیا سوجھی میں بھی ان کے پیچھے چل پڑا۔ لمبی لمبی گھاس اور قبروں کے درمیان اونچے نیچے راستہ پر چلتے ہوئے مجھے خوف آنے لگا۔ کہانیوں

میں پڑھے ہوئے رُوحوں اور چڑیلوں کے قصے
ایک ایک کرکے ذہن میں آنے لگے ۔ جوں جوں آگے
جا رہا تھا ماحول کچھ اور زیادہ ہی ڈراؤنا معلوم
ہوتا تھا ۔ ارے یہ سفید کپڑوں میں کون ہے ؟
اُونہہ ! یہ تو قبر کی محراب ہے ۔ ہم تو بھوت پریت
میں یقین نہیں رکھتے ۔ نہ رکھتے ہوں گے ۔

" کبھی کبھار قبرستان میں آتے رہنا چاہیئے "
زعیم صاحب بولے جو آگے آگے چل رہے تھے ۔
" خدا کی ہستی پر یقین پختہ ہو جاتا ہے ، انسان
اپنے آپ کو پہچاننے لگتا ہے " ۔ " جی ! " میں نے
خوف کو دُور کرتے ہوئے دبی سی آواز میں کہا ۔
" کس قدر بے بس ہے یہ انسان ۔ نہ جانے کتنے
سکندر ، اپنے وقت کے آقا اور زمانے کے نامور ،
سب کے سب کتنی بے بسی کے عالم میں خاک بسر
ہیں " ۔ زعیم صاحب جانے کیا کچھ کہہ رہے تھے ۔

اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ قبرستان کب
ختم ہو گا ۔ جس روح کی تلاش میں ہم نکلے تھے وہ
تو نہ ملنی تھی اور نہ ملی ۔ لیکن وہاں تو شاید جنازے
کو بھی اندھیرے نے نگل لیا تھا ۔ اگر واپس چلنے
کو کہتا تو ڈرپوک کہلاتا اسلئے جی کڑا کر کے
چلتا رہا ۔ جتنی دعائیں یاد تھیں سب پڑھ ڈالیں
جنازہ نہ ملا ۔

" واپس چلیں " زعیم صاحب نے کہا ۔

" جی بالکل " میں نے فوراً تائید کی اور
تیزی سے قدم اُٹھاتے ہوئے واپس آنے لگے ۔

تمام خدام اِدھر اُدھر ڈھونڈ کر تھک چکے
تھے ۔ نزدیکی گھر سے پوچھا تو پتہ چلا کہ ابھی ابھی
جنازہ دفن کرکے جا چکے ہیں ۔ ایک تازہ قبر کو
دیکھ کر کسی نے کہا " یہیں تو دفن کیا ہے ، چلیئے
دعا کر لیں " ۔ چنانچہ مکرمی قائد صاحب کی معیّت
میں سب نے دُعا کی اور پھر مرحوم کے گھر کی طرف
چل پڑے ۔

اعزہ سے مل کر اظہارِ افسوس کیا ۔ پتہ چلا
کہ مرحوم اپنے خاندان کے واحد احمدی تھے ۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعودؑ کے
سچے عاشق تھے ۔ قرآن سے ان کا لگاؤ مجنونانہ
تھا ۔ رمضان کا مہینہ مسجد میں ہی گزارتے تھے ۔
افسوس ان سے زندگی میں کبھی ملاقات نہ ہو سکی ۔
ایسا لگا جیسے گھر کے در و دیوار کہہ رہے ہوں ؎

آ گئی آپ کو مسیحائی
مرنے والوں کو مرحبا کہئے

سائیکلوں کے پہیئے گھروں کی طرف گھومنے لگے ۔

اخبارِ مجالس

محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا دورۂ ضلع لاہور

محترم عطاء المجیب صاحب راشد صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے مورخہ ۲؍ دسمبر ۱۹۷۳ء قیادت ضلع لاہور کی خواہش پر لاہور شہر کی چھ مجالس کے مشترکہ اجلاس عام اور ہر مجلس کے اجلاس عاملہ میں شرکت فرمائی۔ اس دورہ میں صدر محترم کے ہمراہ مکرم اللہ بخش شاہد معتمد مرکزیہ، مکرم چوہدری مبارک احمد خان صاحب مہتمم مال، مکرم قریشی محمد اسلم صاحب مہتمم اصلاح و ارشاد اور مکرم مبارک احمد صاحب خالد نائب معتمد مرکزیہ شامل تھے۔

محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ اپنے وفد کے ہمراہ دار الذکر لاہور پہنچے تو قائد صاحب ضلع لاہور اور دیگر مجالس کے قائدین اور عاملہ نے آپ کا استقبال کیا۔

پروگرام کے مطابق سب سے پہلے جملہ مجالس کے خدام کا مشترکہ اجلاس عام تھا۔ اجلاس مکرم صدرِ مجلس کی صدارت میں تلاوت قرآن کریم سے شروع ہوا۔ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سابق صدر عالمی عدالتِ انصاف نے خدام سے خطاب فرمایا اور بہت لطیف نصیحت آموز انداز میں خدام کو اپنا مقام سمجھنے اور اپنی ذمہ داریاں نباہنے کی طرف توجہ دلائی۔

محترم چوہدری صاحب موصوف کے خطاب کے بعد محترم مولانا ابو العطاء صاحب فاضل ناظر اصلاح و ارشاد (تعلیم القرآن) نے خدام سے خطاب فرمایا۔ آپ نے واضح فرمایا کہ جماعت احمدیہ من حیث الجماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ نیز آپ نے نصائح غور سے سننے اور ان پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔

محترم مولانا ابو العطاء صاحب کے خطاب کے بعد محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے احباب سے خطاب شروع فرمایا۔ خطاب کے ابتداء میں آپ نے بعض انتظامی ہدایات دیں۔ آپ نے اطفال کی تربیت پر خاص توجہ دینے کا ارشاد فرمایا۔ آپ نے اپنے خطاب کے دوران درج ذیل امور کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی:-

۱- ہم میں سے ہر ایک اپنا محاسبہ خود کرے اور یہ سوچتا رہے کہ احمدیت کے نور سے ہم نے کیا حاصل کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حیات بخش دامن سے وابستہ ہونے کے بعد ہمارے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا ہونی چاہیئے۔

۲ - سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جماعت کو قرآن مجید کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دلائی ہے۔ جملہ خدام و اطفال کو اس مقدس اور مبارک کتاب قرآن کریم سے بہت محبت کرنی چاہیئے اور اس کے علوم حاصل کرنے کے لئے مسلسل کوشش کرنی چاہیئے۔

۳ - آپ نے خدام کو مرکز ہدایت یعنی خلافت سے حقیقی اور سچی وابستگی کی تلقین فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے سارے پروگرام مرکز ہدایت یعنی خلافت سے وابستہ رہنے چاہئیں۔

۴ - آپ نے فرمایا کہ ہمارا جلسہ سالانہ قریب آرہا ہے اور سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اس جلسہ پر ایک عظیم الشان سکیم کا اعلان فرمارہے ہیں۔ ہمیں دعا کرنی چاہیئے کہ جو تحریک بھی حضور پیش فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں احسن رنگ میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں دعا کے ساتھ اس اجلاس کی کارروائی ختم ہوئی۔

اس کے بعد درج ذیل اجلاسات عاملہ ہوئے جن میں صدر محترم نے شرکت فرمائی اور شعبہ جات کے بارہ میں تفصیلی ہدایات دیں۔

۱ - اجلاس مجلس عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ دار الذکر لاہور
۲ - " " مجالس خدام الاحمدیہ ضلع لاہور
۳ - " " مجلس خدام الاحمدیہ مغلپورہ لاہور
۴ - اجلاس مجلس عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ اسلامیہ پارک لاہور
۵ - " " " " " ماڈل ٹاؤن لاہور
۶ - " " " " " دہلی گیٹ لاہور

(معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض و غایت

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :-

"خدام الاحمدیہ کا قیام بھی اسی لئے کیا گیا ہے کہ بچپن اور نوجوانی میں بعض لوگ بیرونی اثرات کے ماتحت کمزور ہو جاتے ہیں اور ان میں کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگ دوسری سوسائٹیوں سے بُرا اثر قبول کر لیتے ہیں اور بعض تربیت کے نقائص کی وجہ سے آوارگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض یہ ہے کہ اس بیرونی تغیر کو جماعت احمدیہ میں داخل نہ ہونے دیں اور اس مقصد کو ہمیشہ نوجوانوں کے سامنے رکھیں جس کے پورا کرنے کے لئے جماعت احمدیہ قائم کی گئی ہے۔"

(مشعل راہ صفحہ ۱۲)

قائدین اضلاع وعلاقہ

ذیل میں قائدین اضلاع وعلاقہ برائے سنہ ۱۹۷۴-۷۳ء کے اسماء دیئے جا رہے ہیں ——— (معتمد)

۱۔ پشاور — مکرم مبارک احمد صاحب بھٹی (قائم مقام قائد)
۲۔ مردان — " شیخ مشتاق احمد صاحب
۳۔ ہزارہ — " مشتاق احمد صاحب
۴۔ ڈیرہ اسماعیلخان — " امان اللہ خان صاحب
۵۔ سرگودھا — " راجہ فاضل احمد صاحب ایم اے
۶۔ میانوالی — " چوہدری حمید اللہ صاحب خادم
۷۔ جھنگ — " شمیم پرویز صاحب
۸۔ لائل پور — " سعید احمد صاحب ناصر
۹۔ گجرات — " چوہدری منیر احمد صاحب
۱۰۔ جہلم — " سیٹھی محبوب احمد صاحب
۱۱۔ راولپنڈی — " منیر احمد صاحب فرخ
۱۲۔ کیمبلپور — " قریشی سعید احمد صاحب ایم اے
۱۳۔ بنوں و کوہاٹ — " غلام احمد صاحب
۱۴۔ سیالکوٹ — " خواجہ ظفر احمد صاحب
۱۵۔ لاہور — " ملک منور احمد صاحب جاوید
۱۶۔ مظفر آباد آزاد کشمیر — " عبدالودود صاحب طارق
۱۷۔ کراچی — " منظور احمد صاحب شاد
۱۸۔ گوجرانوالہ — " محمد افضل منیر صاحب
۱۹۔ شیخوپورہ — " ملک لطیف احمد صاحب سرور
۲۰۔ ملتان — " ملک فاروق احمد صاحب
۲۱۔ ساہیوال — " ڈاکٹر محمد محسن صاحب ہاشمی
۲۲۔ مظفر گڑھ — " چوہدری فضل احمد صاحب ایڈووکیٹ
۲۳۔ ڈیرہ غازیخان — مکرم شریف احمد صاحب
۲۴۔ بہاولپور — " افضال احمد صاحب تنویر
۲۵۔ بہاولنگر — " میاں مجید احمد خانصاحب
۲۶۔ رحیم یارخان — " حکیم طالب حسین صاحب
۲۷۔ خیرپور — " چوہدری منور احمد صاحب بی اے بی ایڈ
۲۸۔ سکھر — " محمد اشرف صاحب
۲۹۔ جیکب آباد — " عبدالرحمن صاحب سیفی
۳۰۔ لاڑکانہ — " علی سرور صاحب ابڑو
۳۱۔ نواب شاہ — " چوہدری عبداللطیف صاحب
۳۲۔ حیدرآباد — " چوہدری منور احمد صاحب خالد
۳۳۔ سانگھڑ — " محمد شفیق صاحب
۳۴۔ دادو — " رانا محمد سلیم صاحب
۳۵۔ تھرپارکر — " چوہدری نثار احمد صاحب برا
۳۶۔ میرپور۔ آزاد کشمیر — " ڈاکٹر بشیر احمد صاحب

قائدین علاقہ

۱۔ راولپنڈی — مکرم بشیر الدین خان صاحب خاکی
۲۔ سرگودھا — " راجہ ناصر احمد صاحب
۳۔ لاہور — " ملک منور احمد صاحب جاوید
۴۔ بہاولپور — " رانا مبارک احمد صاحب ایم اے۔ بی ایس سی۔ بی ٹی
۵۔ ملتان — " میاں اقبال احمد صاحب ایڈووکیٹ
۶۔ خیرپور — " سیٹھ محمد یوسف صاحب
۷۔ حیدرآباد — " چوہدری منور احمد صاحب خالد

رپورٹ مجلس خدام الاحمدیہ لنڈن جولائی تا اکتوبر ۱۹۷۳ء

عرصہ زیر رپورٹ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے
مجلس کی مساعی حسب معمول جاری رہیں۔ ۲۰ جولائی کو محمود ہال
میں ایک اجلاس عام منعقد ہوا۔ شعبہ تجنید نے خدام کی فہرستوں
کو مکمل کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی۔ مجلس کا گزٹ شائع
ہو کر تقسیم ہوا۔ ناظم وقار عمل برادرم بھنو صاحب کی
زیر نگرانی ہر اتوار کے روز مسجد کے گرد و پیش کی صفائی پر
مشتمل وقار عمل جاری رہا۔ رمضان المبارک کے ابتدا میں
محترم مولانا ابو العطاء صاحب کے اعزاز میں ایک افطار
پارٹی کا اہتمام کیا گیا جس میں مجلس نے بھرپور حصہ لیا۔ اسی طرح
عید الفطر کے موقعہ پر نائب قائد مجلس خدام الاحمدیہ برادرم
طاہر سفیر صاحب کی زیر سرکردگی خدام نے نماز عید میں شمولیت
کرنے والے ڈیڑھ ہزار احباب کے کھانے کا انتظام
کرنے کا فخر حاصل کیا۔ اور اسی طرح عید کی تقریب
کے سلسلہ میں مسجد اور مشن ہاؤس کی تزئین و آرائش
کے سلسلہ میں کام کیا۔

لیکن عرصہ زیر رپورٹ میں مجلس کی اہم ترین
کارگزاری حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ
بنصرہ العزیز کی انگلستان میں تشریف آوری
سے تعلق رکھتی ہے۔

۱۴ جولائی --- ۱۲ ستمبر ۱۹۷۳ء تک
حضور کے قیام انگلستان کے دوران خدام نے
اپنے محبوب آقا کی روز و شب خدمت کی ہے
اس کا بہترین اجر حضور کی وہ خوشنودی ہے جس کا
اظہار حضور نے فرمایا ہے جس پر خدام کو بجا طور پر
فخر ہے۔

حضور کے قیام کے دوران مختلف النوع
خدمات مثلاً حفاظت، ٹرانسپورٹ، مہمان نوازی
فوٹوگرافی اور نشر و اشاعت وغیرہ کی انجام دہی کیلئے
لنڈن کے خدام نے بے مثال جذبۂ خدمت اور
حسن کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ Hamolar
اور Gillingham کے خدام نے بھی بھرپور
تعاون کا مظاہرہ کیا۔

حضور کی لنڈن سے پاکستان واپسی
سے دو روز قبل ۱۰ ستمبر ۱۹۷۳ء کو مجلس
خدام الاحمدیہ نے حضور کے اعزاز میں ایک
عصرانہ کا اہتمام کیا جس کی صدارت حضور نے
ازراہ شفقت منظور فرمائی۔ اس تقریب میں
۲۰۷ خدام شریک تھے۔

خدام نے حضور کی خدمت میں آپ کے
عرصہ قیام کی تصاویر پر مشتمل ایک البم بھی پیش
کیا۔

مبارک مصلح الدین احمد
۸ ۱۲/۷۳
(مہتمم مجالس بیرون)

مجلس خدام الاحمدیہ لائل پور

مؤرخہ ۲۹ نومبر ۱۹۷۲ء اراکین عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ لائل پور شہر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لئے صبح ۷ بجکر ۲۰ منٹ پر ربوہ کی جانب سائیکلوں پر روانہ ہوئے۔ چند خدام بسوں پر بھی آئے۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمام خدام بخیر وعافیت ۲½ گھنٹے میں ربوہ پہنچ گئے۔ تمام خدام نے اپنے اپنے سائیکلوں کے پیچھے سامان باندھا ہؤا تھا۔ سامان کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱۔ لحاف نئے	= ۱۱ عدد
۲۔ دریاں	= ۲ عدد
۳۔ کھیس (نئے)	= ۱۳ عدد
۴۔ کپڑا ۲۱ تھان	= ۸۴ گز
۵۔ کھدر	= ۱۰ گز
۶۔ کپڑے مستعمل	= ۱۰۵ عدد
۷۔ کپڑے نئے	= ۸ عدد
۸۔ گرم کپڑے	= ۷ عدد
۹۔ جوتے مستعمل	= ۴ جوڑے
۱۰۔ گلاس "	= ۲ عدد

ربوہ پہنچ کر تمام خدام ایوانِ محمود میں جمع ہوئے۔ بعد ازاں دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے ملاقات کے لیے گئے۔ ۱۲ بج کر ۴۰ منٹ پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے خدام کو سائیکلوں کے فوائد سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں خود بھی روزانہ سائیکل چلاتا ہوں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مجلس لائل پور کو سائیکل سفر کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور تمام گاؤں سے رابطہ قائم کرنا چاہیئے۔

حضور نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی اصل غرض ہی یہی تھی کہ وہ حقائق جو کتاب مکنون میں پوشیدہ تھے ان کو کھول کر بتاتے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم پر ذمہ واری عائد ہوتی ہے کہ ہم اسلام کی تعلیم دوسرے لوگوں تک پہنچائیں۔ نیز اپنا عملی نمونہ پیش کریں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سائیکل سفر کے ساتھ ساتھ سائیکل دوستی پیدا کر کے لوگوں کو احمدیت کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہِ شفقت اپنے خدام کے ہمراہ تصویر کھنچوائی۔ اس کے ساتھ ہی یہ پُر رحمت تقریب ختم ہوئی۔

نماز ظہر خدام نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی اقتداء میں پڑھی پھر واپس لائل پور کی طرف روانہ ہوئے ÷ (معتمد مجلس خدام الاحمدیہ لائل پور)

ہم نے دنیا کے لئے ایک نمونہ بننا ہے

خدام الاحمدیہ کو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی ایک نصیحت!

قادیان کے زمانہ کی بات ہے خدام الاحمدیہ کی بیرونی مجالس جو ماہانہ رپورٹیں نہیں بھجواتی تھیں اُن میں سے مثلاً پچاس کو میں نے چُن لیا اور دفتر سے کہا پہلے ہر پندرہ دن کے بعد یاددہانی کراؤ۔ اس پر بھی کوئی نتیجہ نہ نکلے تو ہر ہفتہ کے بعد، پھر ہفتہ میں دو دفعہ یاددہانیاں کراؤ۔ اگر اس پر بھی اُن کو ہوش نہ آئے تو پھر روزانہ یاددہانی کراؤ اور یہ سلسلہ جاری رہے جب تک ان کو ہوش نہ آجائے۔ میں نے دیکھا کہ کئی قائدین میرے پاس آکر رو پڑے کہ خدا کے لئے ہمیں لکھنا بند کردیں ہم آئندہ سُستی نہیں کریں گے۔

کسی جگہ جب متواتر خطوط جاتے ہیں تو اصل بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ وہاں کے سب لوگ اصل حقیقت کو پا جاتے ہیں۔

پس ذَکِّر فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ کی رُو سے یاددہانی کرانا کسی فردِ واحد ہی کے لئے نفع مند نہیں ہے بلکہ یہ جماعتِ مومنین کے لئے بھی نفع مند چیز ہے۔ اس سے ہر کام میں چستی پیدا ہو جاتی ہے۔

بہرحال ہم احمدی مسلمان ہیں ہم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت رکھتے اور جانتے ہیں کہ مجاہدہ (جہاد اور مجاہدہ ایک ہی مصدر سے نکلے ہیں) کی جو تعلیم دی گئی ہے اور جیسے حُسن فی العمل کہہ کر اُور مضبوط کر دیا گیا ہے یہ انتہائی محنت اور علم و عمل کے اعتبار سے

حُسن و احسان کا لطیف امتزاج

ہمارا معیار ہے۔ اس سے ہم نے پیچھے نہیں ہٹنا۔ ہم نے دُنیا کے لئے ایک نمونہ بننا ہے خصوصاً اس دُنیا کے لئے جو ترقی پذیر تو ہے مگر جُوں کی چال چل رہی ہے۔

مَیں نے چینی معاشرہ کے متعلق بڑا غور کیا ہے۔ رُوحانیت کا تو خانہ خالی ہے اس کو

چھوڑ دیں اس کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے وجود کا ایک حصہ بالکل کمزور ہے لیکن اُن کا جو دنیوی اور مادی حصہ ہے مثلاً جسمانی اور ذہنی طور پر اور ظاہری دنیوی اخلاق کے لحاظ سے اُن کا معیار بہت بلند ہے۔ اب تو روس کے برخلاف چین نے اخلاقی اقدار کو بھی اپنا لیا ہے۔ غرض انتہائی طور پر محنت کرنا چینی معاشرہ کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ ایک احمدی مسلمان کو ان سے بھی زیادہ محنت کرنی چاہیئے۔ اُن کے مقابلے میں ہمارے سامنے محنت کا ایک زائد میدان ہے اور یہ روحانی میدان ہے۔ یہی اصل میدان ہے۔ یہ چھت ہے دوسری چیزیں ستون ہیں۔ لوگوں نے یہ ستون تو بنا لئے مگر ہم نے ان ستونوں پر اکتفا نہیں کرنا بلکہ ان کے اُوپر چھت بھی بنانی ہے۔ چونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کی منشاء کے مطابق دنیا کے ہر نفس کے اندر روحانی اقدار قائم کرنی ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جسمانی قوتیں، ذہنی استعدادیں اور اخلاقی صلاحیتیں بھی عطا فرمائیں تاکہ رُوحانی چھت بنا سکیں جو حفاظت کا ذریعہ بنے۔ بالکل اسی طرح جس طرح یہ جسمانی آسمان بہت ساری جسمانی حفاظتوں اور بالواسطہ رُوحانی حفاظتوں کا سامان پیدا کرتا ہے، رُوحانی استعدادوں کے کمال پر مشتمل رُوحانی چھت سارے افراد بلکہ تمام بنی نوع انسان کو ہر قسم کی تباہی سے (جس میں جسمانی تباہی بھی شامل ہے) محفوظ رکھتی ہے۔

(الفضل ۲۱ر اکتوبر ۱۹۷۲ء)